# النعم المرغوبہ فی النعم المرکوبہ

## (سواریاں اللہ کا انعام ہیں ان کے حصول پر شکر کی تعلیم)


| نمبر شمار | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|
| ۱ | ظاہری نعمتوں کی تقسیم | ۹ |
| ۲ | عربوں کی گھوڑوں سے محبت | ۱۱ |
| ۳ | اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ | ۱۲ |
| ۴ | سواریاں بھی ایک نعمت ہیں | ۱۳ |
| ۵ | نفس کی حالت شُتر مرغ جیسی ہے | ۱۳ |
| ۶ | ہندوستان کے سود خوار بھی شُتر مرغ جیسے ہیں | ۱۴ |
| ۷ | تسخیر کے معنی کی تفصیل | ۱۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸ | آیت کا ماقبل سے ربط | ۱۵ |
| ۹ | شکرِ قلبی کے ساتھ شکرِ لسانی بھی ضروری ہے | ۱۶ |
| ۱۰ | نماز کی نیت زبان سے کرنے کا قرآن سے ثبوت | ۱۷ |
| ۱۱ | ہر نعمت عطیہ الٰہی ہے | ۱۷ |
| ۱۲ | حصولِ نعمت میں لوگوں کا طرزِ عمل | ۱۸ |
| ۱۳ | اپنے اوپر اعتماد کا نقصان | ۱۸ |
| ۱۴ | مصائب کا فائدہ | ۱۹ |
| ۱۵ | عارفین کو مصائب میں حکمتوں کا مشاہدہ | ۲۰ |
| ۱۶ | سواری کے نعمت ہونے کا بیان | ۲۱ |
| ۱۷ | گفتگو کرنے میں احتیاط کی تعلیم | ۲۲ |
| ۱۸ | ایک معقولی مولوی کی عجیب حکایت | ۲۲ |
| ۱۹ | کلام میں احتیاط نہ کرنے پر عتاب | ۲۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰ | خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے علم میں فرق | ۲۴ |
| ۲۱ | علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے طریقۂ اصلاح میں فرق | ۲۵ |
| ۲۲ | طلباء کا احترام | ۲۵ |
| ۲۳ | آج کل طلباء کو گھروں سے کھانا لانا مناسب نہیں | ۲۶ |
| ۲۴ | تواضع کی عادت کا فائدہ | ۲۷ |
| ۲۵ | عملی اصلاح مقصود ہے | ۲۸ |
| ۲۶ | موسیٰ علیہ السلام نے شاگردی کی درخواست کی | ۲۹ |
| ۲۷ | بغیر اجازت کے کسی کے ساتھ نہ چلنا چاہیئے | ۲۹ |
| ۲۸ | دوسروں کی رعایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل | ۳۰ |
| ۲۹ | زلیخا کا حال | ۳۱ |
| ۳۰ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت | ۳۲ |
| ۳۱ | استادی اور شاگردی کے آداب | ۳۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۲ | سالک کو سکوت لازم ہے | ۳۴ |
| ۳۳ | واقعاتِ خضر کو تعلیم سلوک سے کچھ علاقہ نہیں | ۳۴ |
| ۳۴ | آیت کے الفاظ میں ربط | ۳۵ |
| ۳۵ | اشکال کا جواب | ۳۷ |
| ۳۶ | ایک بھنگی کا لطیفہ | ۳۷ |
| ۳۷ | گدھے کی عقلمندی اور آواز کی ناپسندیدگی | ۳۸ |
| ۳۸ | حدیث ((اذا سمعتم نهيق الحمار)) پر ملاحدہ کا اعتراض اور اُسکا جواب | ۳۹ |
| ۳۹ | ﴿اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ پر اعتراض اور اُس کا جواب | ۴۰ |
| ۴۰ | مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک میر صاحب سے موسیقی سیکھنا پھر دونوں کو اس سے نفرت ہونا | ۴۲ |
| ۴۱ | عربی اور ہندوستانی گدھوں میں فرق | ۴۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۲ | تفسیری نکتہ | ۴۵ |
| ۴۳ | زیب وزینت کے احکام | ۴۵ |
| ۴۴ | لباس کے چار درجے | ۴۶ |
| ۴۵ | اللہ تعالیٰ انسان کی ضروریات کو پیدا فرماتے رہتے ہیں | ۴۶ |
| ۴۶ | چند فوائد | ۴۷ |
| ۴۷ | بیربل کی ہوشیاری | ۴۸ |
| ۴۸ | تفسیری وضاحت | ۴۹ |
| ۴۹ | قرآنِ کریم میں ریل کا ذِکر | ۵۰ |
| ۵۰ | ریل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حکایت | ۵۱ |
| ۵۱ | ریل میں سوار ہوتے وقت کی دُعا | ۵۲ |
| ۵۲ | ریل سے جہنم کی یاد تازہ ہوتی ہے | ۵۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۳ | ریل میں جنت کی بھی شان ہے | ۵۴ |
| ۵۴ | ایک وقتی نعمت کا بیان جو خاص تھانہ بھون والوں کو ریل کی صورت میں حاصل ہوئی | ۵۵ |
| ۵۵ | تعلیم شکر | ۵۵ |

وعظ

# النعم المرغوبہ فی النعم المرکوبہ

## (سواریاں اللہ کا انعام ہیں ان کے حصول پر شکر کی تعلیم)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ۵/ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹ نومبر ۱۹۲۸ء کو کرسی پر تشریف فرما ہو کر دو گھنٹہ تک ارشاد فرمایا۔

تھانہ بھون میں ریلوے اسٹیشن قائم ہوا تھا جس کی وجہ سے خانقاہ میں آنے جانے والوں کو سہولت ہوگئی تھی اہل قصبہ نے بانیان اسٹیشن کے شکریہ کے طور پر ۱۸ نومبر کو جلسہ کیا تھا۔ اہل خانقاہ نے منعم حقیقی اللہ تعالیٰ کے شکریہ ادا کرنے کے لئے حضرت تھانوی سے بیان کی درخواست کی جس پر حضرت نے ۱۹ نومبر کو نعمتوں کے شکریہ ادا کرنے کا طریقہ بتایا۔ نعمتوں کی اقسام بیان کیں سواریوں کا نعمت ہونا بیان کر کے فرمایا ریل بھی بڑی نعمت ہے اس کے حصول پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے لوگ عام طور پر ایسی نعمتوں پر شکر کم کرتے ہیں جن سے تلبس کم ہے۔

بیان کے بعد مجمع کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اسٹیشن تشریف لے گئے اور ریل میں مسافروں کو سوار ہوتے اور اترتے دیکھ کر دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا فرمائی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ نے اس وعظ کو قلم بند فرمایا۔ ہر طبقہ کے لئے مفید ہے۔ ریل کے علاوہ جو سواریاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں ان کا بھی شکر ہر وقت کرتے رہنا چاہیئے۔

خلیل احمد تھانوی

۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰه نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده اللّٰه فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا الٰه الا اللّٰه وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه و بارك وسلم اما بعد:

فاعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم

﴿ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ 7 وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ 8﴾(۱)

# ظاہری نعمتوں کی تقسیم

یہ سورۂ نحل کی آیات ہیں جن میں حق تعالیٰ نے خاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔ ہر چند کہ حق تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی نہیں ہوسکتا چنانچہ خود اللہ تعالیٰ ہی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا﴾(۲)

(۱) ’’اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے واقعی تمہارا رب بڑی شفقت اور رحمت والا ہے، اور گھوڑے اور خچر اور گدھے بھی پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لئے بھی اور وہ ایسی چیزیں بناتا ہے‘‘ سورۂ نحل: ۸،۷ (۲) ’’اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے‘‘ سورۂ ابراہیم: ۳۴۔

مگر اس کثرت و تعدد کے ساتھ وہ دو قسم پر منقسم ہیں۔ ایک قسم کی تو وہ نعمتیں ہیں جن سے ملابست زیادہ ہے (۱) اور بعض وہ ہیں جن سے ملابست زیادہ نہیں (۲) اور ہماری حالت یہ ہے کہ جن نعمتوں کے ساتھ تلبس زیادہ رہتا ہے اس کی طرف تو کچھ توجہ ہوتی بھی ہے اور ان کا شکر بھی کر لیتے ہیں کبھی کبھی زبان سے بھی دل کی موافقت کے ساتھ یہ لفظ نکل جاتا ہے کہ اللہ تیرا شکر ہے اور جن کی ساتھ تلبس کم ہے ان کی طرف التفات بھی کم ہے اور ان کا شکر بھی کم کیا جاتا ہے بلکہ غالب حالت یہ ہے کہ ان کا شکر نہیں کیا جاتا۔ ان نعمتوں میں سے جن کی ساتھ تلبس کم ہے اور اسی لئے ان کی طرف التفات کم ہے مرکوبات بھی ہیں (یعنی سواری کی چیزیں) کیونکہ ظاہری نعمتیں چند ہیں ماکولات، مشروبات، ملبوسات، منکوحات، مسکونات۔ (۳) (معلومات ۱۲ظ) اور مرکوبات میں نے قافیہ کے لئے مرکوبات کہہ دیا ہے ورنہ مستعمل مراکب ہے۔ مجھے اس کی تحقیق نہیں کہ مرکوب کی جمع مرکوبات صحیح ہے یا نہیں تحقیق کر لی جائے۔ ان میں سب سے زیادہ تلبس تو اول کی تین نعمتوں سے ہے یعنی ماکولات و مشروبات و ملبوسات سے اسی لئے عام طور پر لوگ انہی کو نعمتوں میں شمار کرتے ہیں اور اسی پر شکر کرتے ہیں چنانچہ کھانا کھا کر پانی پی کر عام طور سے لوگ خدا کا شکر کرتے ہیں اور نیا کپڑا پہن کر بھی بعض لوگ شکر بجالاتے ہیں (اور معلومات سے عوام کو تلبس (۴) کم ہے اہل علم کو زیادہ ہے مگر اس کی طرف اُن میں سے التفات بہت کم لوگوں کو ہے ہاں جب کوئی نیا علم حاصل ہوتا ہے تو اکثر التفات ہوتا ہے اور اس پر بھی شکر ادا کرتے ہیں ۱۲ظ) اس کے بعد تلبس زیادہ منکوحات و مسکونات (۵) سے ہے کیونکہ بیوی سے ہر روز تلبس ہوتا ہے اور گھر سے بھی گو دن میں تلبس کم ہو مگر میں رات میں ضرور ہوتا ہے۔

(۱) جن سے واسطہ زیادہ پڑتا ہے (۲) جن سے زیادہ واسطہ نہیں پڑتا (۳) کھانے کی چیزیں، پینے کی چیزیں، پہننے کی چیزیں، بیوی وغیرہ جن سے نکاح کیا، رہنے سہنے کے گھر (۴) واسطہ کم پڑتا ہے (۵) بیوی اور مکان۔

اسی لئے حدیث میں جو آیا ہے کہ تین چیزوں میں نحوست ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ ہے کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو ان تین میں ہوتی (( المرأة والدار والفرس )) یعنی ’’عورت میں اور مکان میں اور گھوڑے میں‘‘ یہ پہلی روایت کی تفسیر ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان سے تلبس زیادہ ہے اور جس چیز سے زیادہ تلبس ہوتا ہے اس کے آثار پر نظر زیادہ ہوتی ہے اور اس کے عیوب سے تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے اور فرس ہر چند کہ مرکوبات (١) میں سے ہے اور میں نے اوپر کہا تھا کہ مرکوبات سے تلبس کم ہے (٢) اور حدیث میں اس کو دار اور امرأة کے ساتھ (٣) بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بھی تلبس زیادہ ہے (بناء علی الوجه الذی ذکرناه ١٢ظ) سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ فرس کے ساتھ مالک فرس کو تلبس اختلاط زیادہ ہوتا ہے (٤) کیونکہ اس کو کھلاتا پلاتا ہے اس کی خدمت کرتا ہے خصوصاً اہل عرب کو زیادہ اختلاط تھا۔

## عربوں کی گھوڑوں سے محبت

وہ گھوڑوں سے بہت محبت کرتے تھے حتی کہ اپنی اولاد کی طرح محبت سے ان کو پالتے تھے اور ایک عجیب بات یہ تھی کہ گھوڑوں کے انساب بھی محفوظ رکھتے تھے۔ اسی لئے عرب کے اشعار میں آپ کو گھوڑوں کی بہت تعریف ملے گی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر خاص ہیں ١٢ظ) فرماتے ہیں ؎

تظل جیادنا متمطرات یلطمهن بالخمر النساء

’’ہمارے گھوڑے فتح مکہ کے دن یکے بعد دیگرے آگے بڑھتے ہونگے

(١) گھوڑے اگرچہ سواریوں میں سے ہیں (٢) سواریوں سے واسطہ کم ہے (٣) گھوڑے کو گھر اور عورت کے ساتھ بیان کیا (٤) گھوڑے کے ساتھ اس کے مالک کو واسطہ زیادہ ہوتا ہے۔

اور عورتیں اپنی اوڑھنیوں سے اُن کے منہ پر طمانچہ (۱) مارتی ہوں گی'' یا یہ مطلب ہے ''کہ ہماری عورتیں اپنی اوڑھنیوں سے ان کے منہ صاف کریں گی'' یعنی جنگ میں جو غبار وغیرہ ان کے منہ پر لگ گیا ہوگا میدان جنگ سے واپسی پر اُس کو اپنے دوپٹوں سے دور کریں گی اختار المعنی الاول المولوی حبیب احمد فی ترجمة کلام الملوك والمختار عندی المعنی الثانی وھوالذی اختارہ صاحب مجمع البحار(۲/۲۵٤)ای یمسحھن النساء بھا واستعار له اللطم ای ینفضن ما علیھا بخمرھن لیز لن الغبار لعزتھا عندھم اھ۔(۲)

پس اختلاط کے اعتبار سے تو گھوڑے کے ساتھ تلبس زیادہ ہے مگر رکوب کے اعتبار سے تلبس کم ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ مرکوبات ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تلبس کم ہے یعنی رکوب کے اعتبار سے کم ہے۔اسی لئے نکاح پر شکر کرلیا جاتا ہے مگر سواری کے وقت بہت کم شکر کرتے ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ نعمت مرکوب کی طرف التفات کم ہے۔

## اس مضمون کو اختیار کرنے کی وجہ

اس لئے میں اس وقت اس نعمت کا بیان کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس پر توجہ والتفات زیادہ ہو اور اس پر بھی شکر ادا کیا جائے اور اس وقت یہ مضمون جو اختیار کیا

(۱) یعنی جب مردوں کو مقابلہ کی تاب نہ رہے گی تو عورتیں گھروں سے نکل کر مقابلہ کریں گی اور گھوڑوں کے منہ پر اوڑھنیاں ماریں گی'' قال ابن اسحق بلغنی عن الزھری انه قال: لمارای رسول الله النساء یلطمن الخیل بالخمر تبسم الی ابی بکر الصدیق اھ ای وذکر قول حسان ھذا کذا فی السیرة لابن ھشام (۲/۲۵۱۰) ''قلت : لمارای وقد رأیت فی موضع ولا احضرہ الآن انھن کن نساء الانصار وھذاینا سب المعنی الذی ذکرته ثانیا ای کن یمسحوا وجوہ الخیل بخمرنھن تصدیقا بقول حسان شاعر الانصار ۱۲ظفر احمد۔(۲) مولانا حبیب احمد صاحب ترجمہ کلام الملوک میں پہلے معنی مراد لیتے ہیں یعنی عورتیں اپنی اور اوڑھنیوں سے گھوڑوں کے منہ پر طمانچہ مارتی ہوں گی اور میرے نزدیک اس کے دوسرے معنی زیادہ پسندیدہ ہیں کہ غزوات سے واپسی پر عورتیں گھوڑوں کے منہ سے میدان جنگ کا غبار اپنی اوڑھنیوں سے صاف کرتی ہوں گی کیونکہ وہ گھوڑے اُن کو عزیز ہیں۔

گیا ہے حالانکہ پہلے سے بیان کا خیال نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض صاحبوں نے درخواست کی ہے اور درخواست ایسے وقت کی ہے جبکہ ایک خاص نعمت ہم کو عطا ہوئی ہے کہ ایک خاص مرکوب میں ہم کو سہولت کا سامان عطا کیا گیا ہے اس وجہ سے یہ مضمون جو نعمتِ مرکوبات کے متعلق ہے اختیار کیا گیا ہے۔

## سواریاں بھی ایک نعمت ہیں

اب سمجھئے کہ ایک بڑی نعمت تو ان مرکوبات کے متعلق یہ ہے کہ وہ باوجود اتنی قوت کے ہمارے مطیع ہیں (۱)۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس مقام پر جتنے مرکوبات کا ذکر فرمایا ہے وہ سب کے سب ہم سے زیادہ قوی ہیں۔ اور ہم شُتر کے (۲) برابر تو کیا ہوتے شتر مُرغ بھی نہیں بلکہ اُس سے بھی کمزور ہیں۔

## نفس کی حالت شُتر مرغ جیسی ہے

شُتر مرغ عجیب جانور ہے۔ صورت میں تو اونٹ کے مشابہ ہے مگر اس کے دو بازو بھی ہیں جیسے پرندے کے ہوتے ہیں مگر ان سے وہ اُڑ نہیں سکتا ہاں بھاگتا خوب ہے اب نہ وہ بوجھ لادنے کے قابل ہے کیونکہ پرندوں میں شمار کیا جاتا ہے نہ پرندوں ہی میں داخل ہے کیونکہ نام کے ساتھ شتر بھی لگا ہوا ہے فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس کی حالت بھی بالکل شتر مرغ جیسی ہے۔ صوفیاء ہر جگہ سے سبق لے لیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ؎

چوں شتر مرغ شناس ایں نفس را     نے کشد بازو نہ پرد بر ہَوا
گر بپر گویش گویدا شترم     در نہی بارش بگوید طائرم

---

(۱) ہمارے فرمانبردار ہیں (۲) اونٹ کے برابر۔

''اگر اس پر بوجھ لادو تو کہتا ہے کہ میں تو پرندہ ہوں اور جو اُڑنے کو کہو تو کہتا ہے میں تو شتر ہوں کہیں اونٹ بھی اُڑا ہے'' غرض نفس سے جو کام بھی لو تو وہ بہانہ ڈھونڈھتا ہے۔

## ہندوستان کے سودخوار بھی شتر مرغ جیسے ہیں

جیسے ہندوستان کے سودخوار کو اگر ان سے یہ کہو کہ سود حرام ہے اس سے توبہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ دارالحرب میں سود لینا جائز ہے بعض علماء کا اس پر فتویٰ ہے اس لئے ہم لیتے ہیں اور اگر کہو کہ اس کی زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے تو کہتے ہیں کہ مال حرام میں بھی کہیں زکوٰۃ فرض ہے۔ اب دینے کے وقت وہ سود ہو گیا اور حرام، اور لینے کے وقت حلال تھا۔ بہرحال شتر مرغ تو کمزور جانور ہے گو نام میں شتر ہے مگر وہ بار برداری کے قابل نہیں (۱)۔ لیکن اونٹ، گھوڑا، بیل، بھینسا، خچر وغیرہ اس قدر قوی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی آدمی کے اوپر پیر رکھ دے تو اُس سے اُٹھا بھی نہ جائے۔

## تسخیر کے معنی کی تفصیل

مگر خدا تعالیٰ کی کیسی نعمت ہے کہ ایسے قوی قوی جانوروں کو ایک ذرا سا لونڈا (۲) لکڑی لئے ہوئے ہانکتا ہے اور سب کان دبائے اس کے آگے ہو لیتے ہیں کیا غضب کی تسخیر ہے (۳) اس لئے ارشاد ہے کہ سوار ہوتے ہوئے اس نعمت کو یاد کرو اور اس کا شکر کرو: ﴿وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ

(۱) بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں (۲) چھوٹا سا بچہ (۳) اس موقع پر حافظ محمد حسن علی خان صاحب رئیس گڑھی پختہ گڑھی سے آ گئے تو حضرت مولانا نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ آپ نے بڑی ہمت کی کیونکہ وہ صبح کی نماز سے پہلے گھوڑی پر سوار ہو کر وعظ کی خبر سن کر آئے تھے اور جلدی ہی آ گئے۔ حضرت مولانا نے گذشتہ تقریر کا خلاصہ ان کی خاطر سے دوبارہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ بیان ابھی شروع ہوا ہے زیادہ نہیں ہوا۔ ۱۲ ظفر احمد۔

مُقْرِنِيْنَ﴾ (۱) اور یوں کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا تابع کردیا حالانکہ ہم قوت وطاقت سے خود اس کو قابو میں نہ کرسکتے تھے" یہاں تسخیر کے یہ معنی ہیں کہ ان کو تمہارے تابع کردیا۔ اور کسی جگہ تسخیر کے معنی کام میں لگادینا بھی ہے جیسا کہ: ﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَلَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (۲) اور: ﴿وَسَخَّرَلَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ج وَسَخَّرَلَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (۳) کیونکہ ظاہر ہے کہ سموات وارض کی تمام اشیاء ہمارے تابع نہیں۔ نہ شمس وقمر نہ لیل ونہار بلکہ یہاں تسخیر سے مُراد یہ ہے کہ تمام عالم کو تمہارے کام میں لگادیا گیا ہے۔ بہرحال جن جانوروں کو ہم اپنا تابع دیکھتے ہیں یہ تسخیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ جانور کو مست کردیں اور وہ سرکشی پر آجائے تو انسان کی کچھ حقیقت نہیں کہ قوت سے اس کا مقابلہ کرسکے بلکہ اگر مقابلہ کریگا تو خارجی اسباب سے کریگا جیسے بندوق وغیرہ۔ مگر جانور کے پاس گھر کے آلات موجود ہیں جیسے سینگ وغیرہ اس کو خارجی اسباب کی ضرورت نہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سوار ہوتے ہوئے اس نعمت تسخیر کو یاد کرکے خدا تعالیٰ کی حمد کرو۔

## آیت کا ماقبل سے ربط

اس کے بعد یہ بھی یاد کرو: ﴿وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (۴) کہ "ہم اپنے پروردگار کے پاس جانے والے ہیں" اس کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ نعمت معاش کو یاد کرکے معاد (۵) کو بھی یاد کرو یہ تو مشہور ربط ہے۔ اور بعض اہل لطائف نے کہا ہے

(۱) سورۂ زخرف: ۱۳ (۲) "کیا تم لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں" سورۂ لقمان: ۲۰ (۳) "اور تمہارے نفع کے واسطے سورج اور چاند کو مسخر بنایا جو ہمیشہ چلنے ہی میں رہتے ہیں اور تمہارے نفع کے واسطے رات اور دن کو مسخر بنایا" سورۂ ابراہیم: ۳۳ (۴) سورۂ زخرف: ۱۴ (۵) آخرت کو بھی یاد کرو۔

کہ اس کا ربط یہ ہے کہ اس سواری سے دوسری سواری کو یاد کرو یعنی جنازہ کو جس کے متعلق کسی نے کہا ہے ؎

اگر خزانہ و لشکر ہزار ہووے گا دھرینگے تجھ کو جنازہ پر تخت شاہی سے

عوام تو اس ربط سے خوش ہوئے ہونگے کیونکہ چٹ پٹا مضمون ہے مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ پختہ بات کون سی ہے (اور ایک ربط یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿اِنَّـا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ میں اس امر کی دلیل کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تسخیر حیوانات من جانب اللہ ہے(۱) کیونکہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ خود دوسروں کے ہاتھوں میں مردہ بدست زندہ ہوگے(۲)۔ پس اس حالت کو یاد کر کے سمجھ لو کہ اس حیاتِ چند روزہ میں جو تم حیوانات کو اپنا مسخر دیکھتے ہو یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو تم خود تو اپنے وجود اور ذات پر بھی قابض نہیں ہو دوسروں پر تو کیا قابض ہوتے ۱۲ ظ)

## شکرِ قلبی کے ساتھ شکرِ لسانی بھی ضروری ہے

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی تعلیم فرمائی ہے ایک: ﴿تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ﴾ دوسرے: ﴿وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا﴾ یعنی اس نعمت کو دل سے بھی یاد کرو اور زبان سے بھی اس کا اقرار کرو پس ہر چند کہ دل سے استحضار بھی کافی تھا مگر حق تعالیٰ نے اس کی قولاً بھی تعلیم فرمائی ہے تاکہ اس سے استحضار بالقلب آسان ہوجائے کیونکہ تجربہ و مشاہدہ ہے کہ زبان سے ذکر کرنے میں قلب آسانی کے ساتھ ذاکر ہوجاتا ہے اسی واسطے فقہاء نے نیتِ صلوٰۃ بالقول کو مندوب فرمایا ہے(۳) جس پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعت انہوں نے کہاں سے نکالی۔ رسول اللہ ﷺ سے نیت باللسان کا کہیں ثبوت نہیں۔

(۱) ان جانوروں کا تمہارے تابع و فرمانبردار ہوجانا اللہ کی طرف سے ہے (۲) تم مردہ ہوگے اور زندہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگے وہ جیسے چاہیں تمہارے ساتھ معاملہ کریں (۳) زبان سے نماز کی نیت کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

## نماز کی نیت زبان سے کرنے کا قرآن سے ثبوت

مگر میں کہتا ہوں کہ اگر عملاً ثبوت نہیں تو قولاً ثبوت موجود ہے اور قول بھی حق تعالیٰ کا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر بالقلب وذکر باللسان کو جمع فرمایا ہے (۱) پس جو حکمت یہاں ذِکرین (۲) کے جمع کرنے میں ہے اُسی حکمت کی وجہ سے اگر فقہاء نیت صلوٰۃ میں جمع ذِکرین کو افضل فرمائیں تو کون سا جرم ہے (۳) پھر میرے پاس اس کی نظیر سنت سے بھی موجود ہے یعنی تلبیہ (۴) جس میں ذکر باللسان افضل ہے بلکہ شرطِ احرام ہے۔ محض نیت سے احرام منعقد نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ کہے (پھر تلبیہ میں رفع صوت (۵) بھی مسنون ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ((الحج العج والثج)) اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تلبیہ بالقلب کافی تھا زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے تو یہی جواب دیا جائیگا کہ ذکر باللسان کو ذکر بالقلب کی تیسیر (۶) میں دخل ہے پس یہی حکمت یہاں بھی موجود ہے ۱۲ ظ) یہ تو درمیان میں ایک علمی لطیفہ تھا۔

## ہر نعمت عطیہ الٰہی ہے

میں یہ کہہ رہا تھا کہ مرکوب (۷) میں ایک نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی قوی قوی مخلوقات کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور یہ نعمت ہم کو بلا کسب واکتساب کے حاصل ہے اس میں حق تعالیٰ کا انعام پوری طرح ہر شخص کو محسوس ہوسکتا ہے۔

---

(۱) دل کے ذکر کے ساتھ زبان سے ذکر کرنے کو جمع کر دیا (۲) دو ذکروں کو جمع کرنے میں ہے (۳) تو اگر فقہاء یہ کہیں کہ نماز میں دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی نیت کے لفظ کہہ لو تو کیا بُرا ہے (۴) عمرہ یا حج کی نیت کے وقت یہ الفاظ کہنا لبیك اللھم لبیك ، لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك، لا شریك لك تلبیہ کہلاتا ہے (۵) مردوں کے لئے بلند آواز سے کہنا (۶) آسانی ہونے میں دخل ہے (۷) سواری۔

اور جو نعمت انسان کو کسب و اکتساب (۱) سے حاصل ہوتی ہے اُس میں تو وہ کبھی دعویٰ بھی کرنے لگتا ہے جیسے قارون نے کہا تھا: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ﴾(۲) جب اس کو لوگوں نے نصیحت کی کہ جیسے خدا تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو دوسروں پر احسان کرتو کہنے لگا کہ ''یہ مال تو مجھے ایک علم کی بدولت حاصل ہوا ہے جو میرے پاس ہے'' بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کو کیمیا آتی تھی لیکن تفسیر اس پر موقوف نہیں۔ میرے نزدیک علم سے مراد سلیقہ اور لیاقت ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی ذاتی لیاقت اور سلیقہ سے یہ مال حاصل کیا ہے (نعوذ باللہ) خدا کا مجھ پر کیا احسان ہے۔ خیر قارون کم بخت کا یہ اعتقاد ہوگا۔ مسلمانوں کا خدا نہ کرے یہ اعتقاد کیوں ہونے لگا وہ تو ہر نعمت کو عطائے حق سمجھتے ہیں۔ خواہ سبب سے ہو یا بلا سبب کے، اور کسب سے حاصل ہو یا بلا کسب کے (۳)۔

## حصولِ نعمت میں لوگوں کا طرزِ عمل

مگر یہ ضرور ہے کہ جو نعمت بلا سبب ظاہری اور بدون کسب کے حاصل ہو اُس نعمت کا اثر زیادہ ہوتا ہے جیسے کوئی ہمیں بہت سا روپیہ ہدیہ میں دے جائے اور جو روپیہ تجارت اور ملازمت یا مزدوری سے حاصل ہو اُس کے نعمت ہونے کی طرف التفات کم ہوتا ہے گو اعتقاد قارون جیسا نہ ہو مگر حالت ایسی ہے جس سے دیکھنے والے کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ اپنے علم و ہنر کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

## اپنے اوپر اعتماد کا نقصان

چنانچہ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص گھوڑا خریدنے جا رہا تھا راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ کہا بازار جا رہا

(۱) اپنی محنت اور کمائی سے حاصل ہو (۲) سورۂ قصص: ۷۸ (۳) اپنی محنت سے حاصل ہو یا بلا محنت۔

ہوں، گھوڑا خریدوں گا۔ دوست نے کہا کہ ان شاء اللہ بھی کہہ لو۔ بولا اس میں ان شاء اللہ کی کیا بات ہے؟ گھوڑا بازار میں ہے۔ روپے میری جیب میں ہیں اب جا کر خرید لونگا۔ بس روپیہ پاس ہونے سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ سب کام اس کے قبضہ میں ہے۔ مگر کبھی اللہ تعالیٰ اُس کا عجز ظاہر کردیتے ہیں۔ اور یہ بھی رحمت ہے اگر انسان پر ابتلاء واقع نہ ہوں تو استدراج میں تو یہ تباہ ہوجائے (۱)۔

## مصائب کا فائدہ

بڑی حکمت تو یہی ہے کہ اس سے انسان کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے اپنا عجز مشاہد ہوجاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

گر خدا خواہد نہ گفتند از بطر　　　پس خدا بنمود شان عجز بشر (۲)

مولانا نے کنیزک کے قصہ میں فرمایا ہے کہ بادشاہ نے اس کے معالجہ کے لئے بڑے بڑے اطباء کو جمع کیا جن کو اپنے علم وفن پر ناز تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کو ان کا عاجز ہونا دکھلا دیا جو دوا وہ استعمال کراتے اس سے اُلٹا اثر ہوتا تھا ؎

از قضا سر کنگبیں صفرا فزود　　　روغنِ بادام خشکی می نمود
از ہلیلہ قبض شد اطلاق رفت　　　آب آتش را مدد شد ہمچو نفت (۳)

پس دراصل ہر زخم کا مرہم اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے ان کے سوا کسی کے قبضہ میں شفا نہیں۔

---

(۱) اگر انسان مصائب میں مبتلا نہ ہو تو بوجہ تکبر تباہ ہوجائے (۲) اگر خدا چاہتا تو وہ ایسا متکبرانہ جملہ نہ کہتا اس کے اس جملے کی ادائیگی پر اللہ نے انسان کی بے کسی اور عاجزی کا نمونہ دکھادیا (۳) اللہ کے حکم سے سکنجبین جس کی خاصیت ٹھنڈی ہے اس کے پینے سے صفرادیت جو کہ سخت گرم چیز کھانے سے پیدا ہوتی ہے پیدا ہوئی روغن بادام جو تری پیدا کرتا اس نے خشکی کی ہلیلہ جو قبض دور کرتا ہے اس کے استعمال سے قبض بڑھ گیا پانی نے آگ کو بھڑکا دیا جیسے وہ پھونکیں مارنے سے بڑھتی ہے غرض سب تدبیری الٹی پڑیں جب اللہ کو منظور نہ ہو۔

# عارفین کو مصائب میں حکمتوں کا مشاہدہ

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی حق تعالیٰ ہی فرماتے ہیں عارفین کو تو اس کا شب و روز مشاہدہ ہوتا ہے اور غیر عارفین کو بھی کبھی حق تعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتے رہتے ہیں مگر ان کو عارفین کے برابر مشاہدہ اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ غور نہیں کرتے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں رہتے اور عارفین اللہ تعالیٰ کے معاملات کو جو ان کے ساتھ ہو رہے ہیں غور سے دیکھتے رہتے ہیں اس لئے ان کو خوب مشاہدہ ہوتا ہے کہ فلاں مصیبت سے ہمارے فلاں مرض کا علاج کیا گیا ہے اور فلاں تکلیف ہماری فلاں خطا کا بدلہ ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے حق تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو میں اُس کا اثر اپنے گھر والوں میں اور سواری کے جانور میں مشاہدہ کرتا ہوں کہ اُس دن یہ سب کے سب مجھ سے نافرمان ہو جاتے ہیں۔ گھر والے بات کا جواب نہیں دیتے اور میرا مقابلہ کرتے ہیں۔ گھوڑا پوری طرح سواری نہیں دیتا شرارت کرنے لگتا ہے۔ یہ واقعات کم وبیش سب کو پیش آتے ہیں مگر عام لوگ اس کو اتفاقیات پر محمول کرتے ہیں یا گھر والوں کی بدخلقی پر اور گھوڑے کے عیب پر کیونکہ ان کو نہ اپنے افعال پر نظر ہے نہ ان کے نتائج پر توجہ ہے۔ مگر بعض دفعہ حق تعالیٰ ایسی دست بدست سزا دیتے ہیں جس سے ہر شخص کو محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ میرے اس فعل کی سزا ہے اور اسی کو میں نے کہا تھا کہ حق تعالیٰ کی اس میں بڑی رحمت ہے۔ اگر کبھی کبھی ایسا نہ ہوا کرے تو انسان کی آنکھیں ہی نہ کھلیں۔

چنانچہ وہ گھوڑا خریدنے والا یہ کہہ کر کہ ان شاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے بازار میں پہنچا تو کسی جیب کٹ نے جیب میں سے روپے نکال لئے۔ گھوڑے کا سودا کر کے جو اُس نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں میدان صاف تھا شرمندہ ہو کر

ناکام واپس ہوا۔ اتفاق سے وہ دوست پھر ملا اور کہا کیا حال ہے؟ کہنے لگا ہم بازار گئے تھے ان شاء اللہ گھوڑا خریدنے کا قصد تھا ان شاء اللہ جیب کٹ نے جیب میں سے روپے نکال لئے ان شاء اللہ اب خالی ہاتھ گھر جارہا ہوں ان شاء اللہ۔
''ان شاء اللہ'' ایسا سبق ملا کہ اب موقع بے موقع بھی ''ان شاء اللہ'' کا ورد ہو گیا۔

## سواری کے نعمت ہونے کا بیان

غرض انسان کی یہ عادت ہے کہ جو چیز بلا کسب کے اس کو حاصل ہو اس کو تو نعمت سمجھتا ہے اور جس کے اسباب اس کے قبضہ میں ہوں اور اس کے کسب کو اس میں دخل ہو اس کو نعمت نہیں سمجھتا اور اگر اعتقاداً سمجھے بھی تو شان نعمت کا زیادہ اثر اس کے اوپر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسی نعمتوں کے نعمت ہونے پر متوجہ کرنے کے لئے حق تعالیٰ مرکوب کی نعمت کو بیان فرماتے ہیں(۱) اور اس میں بھی یہاں رکوب (۲) کو نہیں بیان فرمایا کہ رکوب سے جو نفع حاصل ہوتا ہے یعنی راستہ طے ہونا اس کو تو بعض لوگ پیادہ چل کر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسی بات بیان فرمائی ہے جو کھلی نعمت ہے جو ظاہراً انسان کی قدرت سے باہر ہے یعنی: ﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ کہ ''مراکب تمہارے بوجھ لاد کر ایسے مقام تک پہنچاتے ہیں جہاں تم اس بوجھ کو تو کیا پہنچاتے خود بھی نہ پہنچ سکتے تھے مگر سخت مشقت اور مصیبت کے ساتھ'' یا یہ ترجمہ ہو کہ ''معہ بوجھ کے اس جگہ نہ پہنچ سکتے تھے مگر مشقت کے ساتھ'' سواری کی چیزوں میں یہ نعمت کھلی نعمت ہے۔ اس میں کسی کو یہ وہم نہیں ہو سکتا کہ ہم کو سواری کی ضرورت نہیں بلکہ سب اپنے کو اس کام میں سواری

(۱) سواری کی نعمت کو یاد دلاتے ہیں (۲) سوار ہونے کو۔

کا محتاج سمجھتے ہیں، مگر سبحان اللہ حق تعالیٰ کا کلام کیسا جچا تلا ہے کہ اس نعمت میں بھی صرف یہ نہیں فرمایا: ﴿لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ﴾ بلکہ اس کے ساتھ: ﴿إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ﴾ بھی بڑھا دیا کہ ہاں سخت مصیبت کے ساتھ پہنچنا پہنچانا ممکن تھا۔

## گفتگو کرنے میں احتیاط کی تعلیم

اس میں ہم کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم کی گئی ہے کہ بات ایسی کہو جو ہر حال میں صحیح ہو۔ کوئی اس پر نقص وارد نہ کر سکے(۱)۔ پس ہر چند کہ یہاں بظاہر یہ دعویٰ بالکل تام ہے کہ تم بوجھ لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں بدون سواری کے نہیں پہنچ سکتے تھے مگر کوئی معقولی اُس پر یہ کہہ سکتا تھا کہ ایک صورت سے پہنچ سکتے ہیں وہ یہ کہ سارا سامان ایک دم سے نہ اُٹھایا جاتا بلکہ اُس کے مختلف عدد بنا کر ایک عدد کو تھوڑی دُور پر رکھ دیں پھر دوسرے کو لے جائیں پھر تیسرے کو۔ اس طرح ایک ایک کر کے سب کو ایک جگہ پہنچا دیں پھر وہاں سے ایک ایک کر کے سب کو قریب کی دوسری جگہ پہنچا دیں تو اس طرح بدون سواری کے بوجھ کو لے جا سکتے ہیں۔

## ایک معقولی مولوی کی عجیب حکایت

اور یہ احتمال عقلی ایک معقولی مولوی نے ہم کو بتلایا۔ انہوں نے اس عقلی احتمال کو واقع کر کے دکھلا دیا۔ ہمارے ایک دوست ہیں کیرانوی وہ شاملی کے اسٹیشن پر بہت سا بوجھ لے کر اُترے اور قلیوں سے کہا کہ اس کو باہر ٹُم ٹُم کے پاس پہنچا دو اور مزدوری طے کر لو۔ قلیوں نے بہت مزدوری مانگی آپ نے انکار کر دیا اور کہا ہم خود لے جائیں گے۔ قلی ہنسنے لگے کہ یہ اکیلا آدمی اتنا سامان کیسے کر لے جائیگا۔ مگر انہوں نے قلیوں کو نیچا دکھا دیا۔ آپ نے یہی کیا کہ سارے سامان کو جو ایک دو عدد کی

(۱) کوئی اس میں عیب نہ نکال سکے۔

صورت میں تھا کھولا اور اُس کے متفرق عدد ہلکے ہلکے بنائے۔ پھر قلیوں کے سامنے ہی ایک عدد کو اُٹھا کر دُور رکھ آئے مگر اتنی دور کہ سامان بھی زیر نظر رہے پھر دوسرے عدد اُٹھا کر لے گئے پھر تیسرا۔ یہ حکمت دیکھ کر قلی ڈھیلے ہوگئے اور سمجھ گئے کہ یہ تنہا سارے سامان کو باہر لے جاسکتے ہیں تو اب وہ خود ہی تھوڑی مزدوری پر راضی ہوگئے۔ واقعی یہ صورت ہمارے ذہن میں تو نہ آتی۔ مگر وہ معقولی آدمی تھے۔ انہوں نے یہاں بھی معقول سے کام لیا تو اگر آیت میں: ﴿ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُس ﴾ نہ ہوتا تو کوئی معقولی یہ احتمال نکال کر آیت پر اعتراض کرسکتا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے یہ جملہ بڑھا کر کلام کو مضبوط کردیا کہ اگر پہنچاتے بھی تو بڑی مصیبت سے پہنچاتے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں مصیبت بہت ہے (دن بھر میں اس طرح دو تین کوس بھی طے نہیں ہوسکتے (۱) بڑی منزل تو کسی طرح طے ہی نہیں ہوسکتی ۱۲ ظ) اور گو یہ احتمال بہت بعید ہے کہ اس صورت سے کوئی شخص بوجھ کو پہنچائے مگر حق تعالیٰ نے اس بعید احتمال کا بھی لحاظ فرمایا جس میں ہم کو تعلیم ہے کہ کلام میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ دیکھو ہماری کیسی شان ہے کہ: ﴿ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ﴾ (۲) ہم سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا مگر پھر بھی ہم اپنے کلام میں کس قدر احتیاط کرتے ہیں پس تم کو بھی احتیاط فی الکلام کا عادی ہونا چاہیئے۔

## کلام میں احتیاط نہ کرنے پر عتاب

قرآن میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس کی بنا بھی اسی مسئلہ کی تعلیم پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام میں ایک بے احتیاطی ہوگئی تھی کہ وعظ میں کسی نے آپ سے سوال کیا ((ای الناس اعلم)) کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اطلاق کے

(۱) دو تین میل بھی طے نہیں ہوسکتا۔ (۲) سورۂ انبیاء: ۲۳۔

ساتھ جواب دیا (( انـا )) کہ میں سب سے زیادہ عالم ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ علوم شرائع اور علوم نبوت میں سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اسی مُراد کے اعتبار سے کلام صحیح تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انبیاء اولوالعزم سے ہیں ہزاروں انبیاء ان کی شریعت کے متبع ہوئے ہیں اور خود اُن کے زمانہ میں بھی حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور موسیٰ علیہ السلام کسی نبی کے تابع نہیں بلکہ مستقل صاحب شریعت تھے۔ پس علوم شرائع و نبوت میں اُس وقت اُن سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا مگر آپ نے جواب میں لفظاً یہ قید بیان نہ فرمائی تھی بلکہ اطلاق کے ساتھ جواب دیا اس پر عتاب ہوا اور وحی نازل ہوئی (( بلی عبدنا خضرا ھو اعلم منك )) کہ ''کوئی آپ سے زیادہ عالم کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر آپ سے زیادہ عالم ہے'' یعنی بعض علوم میں وہ زیادہ عالم ہیں گو وہ علوم شرائع اور علوم نبوت سے افضل نہ ہوں مگر آپ کے اطلاق کلام پر تو علم خضر سے نقص وارد (۱) ہوسکتا ہے کیونکہ علم میں تو وہ بھی داخل ہے۔

## خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے علم میں فرق

میں اس مقام پر علمِ موسیٰ اور علمِ خضر کا فرق تفصیل کے ساتھ بیان کرنا نہیں چاہتا کیونکہ دوسرے مقامات پر اس کا بیان مفصل ہو چکا ہے۔ مگر اجمالاً اتنا کہے دیتا ہوں کہ خضر علیہ السلام کا علم کشف کونی تھا اور اس علم کو علمِ نبوت اور کشفِ الٰہی سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کا علم تھا کوئی نسبت نہیں مگر فی نفسہ وہ بھی ایک علم ہے اور علم لدنی ہے جس میں وہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

(۱) تو یہ کہنا میں سب سے زیادہ عالم ہوں خضر کے علم تکوینی میں آپ سے زیادہ عالم ہونے کی وجہ سے یہ کلام صحیح نہیں رہا اور اس پر نقص لازم آیا۔

محض تنبیہ قولی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اصلاح فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ خضر سے ملو اور اس کے علوم کو دیکھو۔ اس کو مشائخ صوفیاء سمجھتے ہیں علماء ظاہر عملی اصلاح کو کچھ نہیں جانتے (الا الاسم والرسم ۱۲ظ)(۱)

## علمائے ظاہر اور علمائے باطن کے طریقۂ اصلاح میں فرق

علماء تو کسی کے اندر تکبر دیکھیں گے تو اُس کی اصلاح میں صرف تکبر کی مذمت اور وعیدیں بیان کردینگے اور بس۔ اور شیخ اس طرح اصلاح کرتا ہے کہ جاؤ فلاں مسافر کے پیر دباؤ جو خراب خستہ حالت میں پڑا ہے جس کی رال بھی چل رہی ہے(۲)۔ اب مرید چونکہ شیخ کے سامنے چوں نہیں کرسکتا اس لئے جھک مار کر جاتا ہے اور پیر دباتا ہے گو دل دل میں شیخ کو کوستا بھی ہے کہ بڑے متشدد ہیں(۳) مگر ایسا کوسنا ہزار کوس بھاگ جاتا ہے وہ شیخ کو نہیں لگتا(۴) پھر اس غریب مسافر پر غصہ آتا ہے کہ یہ کم بخت کہاں سے آمرا تھا جو میرے سپرد اس کی خدمت ہوئی۔ مگر یہ غصہ فضول ہے اگر وہ نہ آتا تو شیخ کسی اور تدبیر سے علاج کرتا مثلاً نمازیوں کے جوتے سیدھے کرواتا۔ شروع میں تو یہ علاج پہاڑ کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ گراں معلوم ہوتا ہے مگر چند روز میں نفس کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

## طلباء کا احترام

عادت کے اوپر ایک اور حکایت یاد آئی مولوی صدیق احمد صاحب گنگوہی جو گڑھی میں بھی مدرس رہے ہیں اپنی حکایت بیان فرماتے تھے کہ جب میں نیا نیا دیوبند کے مدرسہ میں گیا تو ایک رئیس کے یہاں میرا کھانا مقرر ہوا۔ اُس زمانہ میں

---

(۱) صرف زبانی کلامی (۲) منہ سے تھوک بہہ رہا ہے (۳) بہت سخت مزاج ہیں (۴) ایسا کوسنا اس کو نہیں لگتا بلکہ اس سے ہزاروں میل دور بھاگتا ہے۔

دیوبند کے لوگ طلباء کی بہت عزت کرتے تھے اب کی خبر نہیں مگر جہاں تک میرا خیال ہے دیوبند کے لوگ اب بھی دوسری جگہ کے لوگوں سے زیادہ طلباء کی عزت کرتے ہیں۔ اور جو زمانہ ہم نے دیکھا ہے اُس وقت تو بہت ہی عزت کرتے تھے کہ طلباء کو دیکھ کر رؤسا اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور طلباء کو عزت کے ساتھ بٹھلاتے تھے۔ اُس زمانہ میں چونکہ عوام متواضع تھے اس لئے طلباء کو گھروں سے کھانا لانا معیوب نہ تھا اور شاید پہلے بزرگوں نے اسی واسطے طلباء کے لئے یہ صورت اختیار کی ہو تا کہ ان کا تکبر زائل ہو۔

## آج کل طلباء کو گھروں سے کھانا لانا مناسب نہیں

مگر اب میری رائے نہیں ہے کہ طلباء گھروں پر کھانا لینے جائیں کیونکہ اب اہلِ دُنیا طلباء کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگے ہیں۔ (۱) اگر طلباء ان کے گھروں پر روٹی کے واسطے جائیں گے تو وہ اور زیادہ اُن کو ذلیل سمجھیں گے۔ ہاں مؤذن اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ اہلِ محلّہ سے اپنا حق وصول کرتا ہے وہ ان کی مسجد کی خدمت کرتا ہے اور اپنی خدمت کا معاوضہ طلب کرتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی درزی کسی رئیس کے یہاں اپنے پیسے مانگنے جائے اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اور گو طلباء کا بھی حق مسلمانوں کے ذمہ ہے مگر لوگ عام طور پر اس حق کو اپنے اوپر نہیں سمجھتے اور جو شخص اپنے ذمہ حق نہ سمجھتا ہو اُس سے جبراً حق وصول کرنا ذلت ہے ہم کو اس کی ضرورت نہیں۔ قیامت کے دن ان کو خود معلوم ہو جائیگا کہ انھوں نے دین اور اہلِ دین کی کس قدر حق تلفی کی ہے۔

(۱) اور یہ انگریزی تعلیم کے شائع ہونے کا نتیجہ ہے کیونکہ علم دین کے حاصل کرنے والوں کو ایسے ہی رؤساء حقیر سمجھتے ہیں جن میں انگریزی تعلیم کا اثر آ گیا ہے اور دین سے بے تعلقی ہوگئی ہے اور جو رؤساء اس اثر سے محفوظ ہیں وہ اب بھی طلباء وعلماء کی عزت کرتے ہیں۔ واللہ المستعان ۱۲ ظ۔

## تواضع کی عادت کا فائدہ

تو مولوی صدیق احمد صاحب کہتے تھے کہ اول وقت جو میں روٹی لینے گھر پر گیا تو قدم نہ اُٹھتا تھا پھر گھر پر پہنچ کر آواز دینے کی ہمت نہ ہوئی کہ روٹی بھیج دو۔ شرم کے مارے دیوار سے لگ کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں صاحبِ خانہ جو ایک رئیس تھے خود ہی باہر آئے اور مجھے کھڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ کا ہی کھانا میرے غریب خانہ پر مقرر ہوا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، یہ سن کر انہوں نے فوراً چار پائی منگائی اور مجھے عزت سے بٹھلایا اور پوچھا آپ کھانا یہاں ہی کھائیں گے یا مدرسہ لے جائیں گے۔ میں نے شرم کی وجہ سے کہہ دیا کہ یہیں کھاؤں گا انہوں نے فوراً ملازم سے کہا کہ آپ کے ہاتھ دُھلاؤ اور گھر میں سے کھانا لاکر آپ کو کھلا دو۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر مدرسہ میں آیا تو ساتھیوں نے کہا کہ تم کھانا نہیں لائے؟ میں نے کہا کہ مجھ کو تو گھر تک جانا ہی محال تھا اور میں سب کے سامنے ہاتھ پر رکھ کر روٹیاں یہاں تک بھی لاتا میں نے تو وہیں کھالیا۔ ساتھیوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے اندر بعضے ایسے بھی ہیں جن کا کھانا کہیں مقرر نہیں۔ تو جن کا مقرر ہے وہ سب مل کر ان کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں تو سب کا کام چل جاتا ہے شام سے تم کھانا یہیں لانا میں نے کہا بہت اچھا لاؤنگا کہتے تھے کہ شام کو جو میں کھانا لایا تو بار بار دل میں یہ آتا تھا کہ زمین پھٹ جائے تو میں اس میں سما جاؤں۔ مگر دو تین وقت لانے کے بعد پھر دل کھل گیا اور اب تو یہ حالت ہے کہ اگر تم کہو تو بھنگی کے گھر سے کھانا لے آؤں۔

سو واقعی چند روز تک ایسا کام کرنے سے جس میں نفس کی ذلت ہو نفس ذلت کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مشائخ تکبر وغیرہ کی عملی اصلاح کرتے ہیں۔

# عملی اصلاح مقصود ہے

چنانچہ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا ابوسعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب سلطان نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دولت باطنیہ کی طلب میں پہنچے ہیں تو آپ نے سنا ہوگا کہ انہوں نے کیسی کیسی تکبر شکن خدمتیں اُن سے لی ہیں تاکہ امراض نفس کا عملی علاج ہو پھر جیسی ان کی اصلاح ہوئی ہے سب کو معلوم ہے۔

غرض اس واقعہ میں حق تعالیٰ نے قولی اصلاح پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اصلاح بھی فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم ہوا پھر حالانکہ حق تعالیٰ تمام جغرافیہ عالم سے موسیٰ علیہ السلام کو واقف فرما سکتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کا موقع و مکان تعیین کے ساتھ نہیں بتلایا بلکہ اجمالاً اتنا بتلایا کہ وہ مجمع البحرین[1] پر ملیں گے۔ اور حکم ہوا کہ ایک مچھلی تل کر ساتھ لے لو جب وہ زندہ ہوکر توشہ دان سے نکل بھاگے تو سمجھ لینا کہ خضر علیہ السلام اُسی جگہ ہیں۔ اس اجمال کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سالہا سال کے سفر کے لئے تیار ہوکر چلے کہ نہ معلوم کب اور کتنی مدت میں پہنچنا ہوگا چنانچہ نص میں ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰىٓ اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا﴾[2] اس اجمال میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی طلب دیکھئے کہ سالہا سال تک چلنے پر مستعد ہوگئے۔ سبحان اللہ۔ پھر حق تعالیٰ کی امداد یہ ہوئی کہ مجمع البحرین تک جانے میں تو ان کو ذرا تکان نہیں ہوئی ہاں جب موقع سے تجاوز ہوگیا تو اب تکان محسوس ہوا[3] (اللہ تعالیٰ طالبین کی اسی طرح امداد فرمایا کرتے ہیں کہ طریق کو ان کے لئے

---

(۱) جہاں دو دریا ملتے ہیں (۲) ''اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا'' سورۂ کہف: ۶۰ (۳) قلت: وفیہ تنبیہ لسیدنا موسی علیہ السلام علی نقصان علمہ حیث لم یشعر بتجاوزہ عن المقصود وفیہ کان تنبیہا ایضا علی ان العلم الذی اوتیتہ خضر من جنس ہذا العلم الذی لحقک النصب بعدمہ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔

آسان کردیتے ہیں ۱۲ظ) چنانچہ آپ نے خادم سے فرمایا کہ آج کے سفر سے تکان معلوم ہوا ہے لاؤ ناشتہ لاؤ۔اس پر خادم نے عرض کیا کہ میں آپ سے کہنا بھول گیا وہ مچھلی تو کل ہی زندہ ہوکر سمندر میں چلی گئی ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم تو اسی کے منتظر تھے۔واپس لوٹو منزل مقصود اُسی جگہ ہے جہاں سے ہم آگے بڑھ گئے۔

## موسیٰ علیہ السلام نے شاگردی کی درخواست کی

پھر اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (۱) کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ جو علم آپ کو حاصل ہے وہ آپ مجھے بھی سکھلادیں۔حالانکہ موسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے ان کو استیذان کی ضرورت نہ تھی مگر ادب یہی ہے کہ استاد سے اجازت لے اور اپنی طلب کو ظاہر کرے۔

## بغیر اجازت کے کسی کے ساتھ نہ چلنا چاہیئے

اور علماء تو صرف الفاظ ظاہرہ کے درپے ہوئے ہیں مگر صوفیاء نے اس سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ اگر کسی کے ساتھ چلنا ہو تو بلا اجازت کے ساتھ نہ چلے بلکہ اجازت لے کر ساتھ چلنا چاہیئے کیونکہ ساتھ چلنے سے بعض دفعہ دوسرے کو تکلیف ہوتی ہے اُس کی آزادی میں خلل پڑتا ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ برسات کے زمانہ میں ایک مولوی صاحب رات کے وقت میرے ساتھ ہولئے۔میں نے اُن کی وجہ سے اچھا راستہ اُن کے لئے چھوڑ دیا

(۱) سورۂ کہف:٦٦۔

اورخراب راستہ خود اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندھیرے میں ایک گڑھے کے اندر میرا پیر گرا جس سے تمام کپڑے خراب ہوگئے۔ اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں خراب راستہ کیوں اختیار کرتا۔ ایک دفعہ ایک وکیل صاحب ایک مجلس نکاح سے گھر تک میرے ساتھ ہو لئے حالانکہ اس وقت میں آنت اُتر جانے کے سبب تقاضے کے ساتھ گھر جارہا تھا ان کی وجہ سے مجھے باتوں میں مشغول ہونا پڑا اور آہستہ آہستہ چلا۔ تنہا ہوتا تو تیزی کے ساتھ جاتا۔ مگر وہ ظالم گھر پر پہنچنے کے بعد بھی واپس نہ ہوئے بلکہ دروازے پر جم کر کھڑے ہوگئے اور باتوں کا سلسلہ قائم رکھا آخر مجبور ہوکر مجھے بے مروتی سے کہنا پڑا کہ اب مجھے جانے دیجئے مگر وہ پھر بھی نہ ٹلے تو میں منہ موڑ کر خود ہی چل دیا۔ آج کل لوگوں کو اس کا احساس ہی نہیں کہ دوسرے کو ان کے فعل سے تکلیف ہوگی۔

## دوسروں کی رعایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے بھی اگر رات کو اُٹھتے تو اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ ان کی نیند خراب نہ ہو ان کو تکلیف نہ ہو حالانکہ وہ محبوبہ ہونے کے ساتھ خود محبّ و جان نثار بھی تھیں اور ایسی جان نثار تھیں کہ حضور کی شان میں فرماتی ہیں ؎

لـواحـی زلیـخـا لو رأین جبینـه لآثـرن بـالقطع القلوب علی یده

زلیخا کی ملامت کرنے والیاں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک دیکھ لیتیں تو بجائے ہاتھ کاٹنے کے دل کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔

## زلیخا کا حال

ایشیائی مذاق کے اعتبار سے جو کہ عرب کا سادہ مذاق تھا یہ کلام غایت عشق کو ظاہر کررہا ہے۔ اور زلیخا کے جس قصہ کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے اس کا اجمالی واقعہ یہ ہے کہ جب زلیخا کا عشق مصر میں مشہور ہوا تو وہاں کی عورتوں نے اس کو ملامت کی کہ غلام پر فریفتہ ہے [۱] کیونکہ یوسف علیہ السلام اس وقت غلاموں ہی کی طرح فروخت ہوکر اس کے ہاتھ میں آئے تھے یہ باتیں سن کر زلیخا نے ان کے اعتراض کا عملی جواب دینا چاہا زبان سے کچھ نہیں کہا۔ تدبیر یہ کی کہ ان کو دعوت کے بہانہ سے اپنے گھر بلایا اور یوسف علیہ السلام کو پردہ میں کردیا پھر سب عورتوں کے سامنے چاقو سے کاٹ کر کھانے کے پھل اور میوے رکھ دیئے اور ہر ایک کے سامنے ایک ایک تیز چاقو رکھ دیا۔ جب عورتوں نے چاقو ہاتھ میں لے لیا اور پھل تراشنے [۲] کا قصد کیا تو عین اس موقع پر زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو بلایا کہ ذرا یہاں تو آؤ (وہ سمجھے کسی کام سے بلاتی ہوگی چونکہ وہ ظاہر میں آقا تھی اس لئے خدمت کے ارادہ سے تشریف لے آئے ۱۲ ظ) اب جو وہ سامنے آئے اور عورتوں کی نظر اُن کے حُسن و جمال پر پڑی تو سب کے ہوش اُڑ گئے۔ بدحواسی میں چاقو سے پھل کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔

اب تو زلیخا کو موقع ملا کہ کیوں تمہارے حواس کہاں گئے ہوش تو ٹھکانے کرو۔ میں تو ایک دن بھی ایسی بدحواس نہیں ہوئی سب نے شرمندہ ہوکر کہا: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴾ [۳] کہ بخدا یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ زلیخا نے کہا: ﴿ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ﴾ کہ دیکھ

(۱) عاشق (۲) پھل کاٹنے کا (۳) ''اور کہنے لگیں حاش للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے'' سورۂ یوسف: ۳۱۔

لو یہی ہے جس کی محبت پر تم نے مجھے ملامت کی تھی اس قول کا ترجمہ کسی نے شعر میں خوب کیا ہے ۔

ایں ست کہ خوں خوردۂ ودل بردہ بسے را بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را (۱)

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان عورتوں کے بارہ میں فرماتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا جمال دیکھ کر تو انہوں نے ہاتھ ہی کاٹے تھے اگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھ لیتیں تو دل وجگر کے ٹکڑے کاٹ ڈالتیں۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس درجہ کا عشق تھا تو کیا ان کو حضور کے کسی فعل سے کلفت ہوسکتی تھی، ہر گز نہیں۔

مگر بایں ہمہ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور آدھی رات کو اُٹھے ((فقام رویدا وانتعل رویدا وفتح الباب رویدا وخرج من الباب رویدا)) آہستہ سے اُٹھے آہستہ سے نعلین پہنے آہستہ سے دروازہ کھولا آہستہ سے باہر نکلے۔ آپ نے اس قدر احتیاط کی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تو دل کو آپ سے تعلق تھا۔ آپ کا جدا ہونا تھا کہ دل پر اس کا اثر ہوا اور فوراً آنکھ کھل گئی۔ جب آپ کو بستر پر نہ پایا تو آپ کو وساوس عاشقانہ آنا شروع ہوئے ۔

---

(۱) وہ حسین ایسا ہے کہ اس نے بہت سوں کے دل وجگر خون کردیئے اگر کسی میں اس کے جلوے کی تاب کا حوصلہ ہے تو آئے بسم اللہ اس کا نظارہ کرے (۲) اس سب کے باوجود۔

باسایہ ترا نمی پسندم عشق است وہزار بدگمانی (۱)

یہ خیال ہوا کہ شاید کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں اور جب عاشق کی یہ حالت ہے کہ باسایہ ترانمی پسندم، تو باضرہ ترانمی پسندم (۲) تو بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رہا نہ گیا اور فوراً اوڑھنی اوڑھ کر آپ کے نشاناتِ قدم کو دیکھتی ہوئی پیچھے پیچھے چلیں۔ دیکھا کہ آپ بقیع الغرقد میں (جو مدینہ کا قبرستان ہے) مُردوں کے لئے دُعا کررہے ہیں اس کے بعد کا قصہ سامعین کو غالباً معلوم ہوگا کیونکہ مواعظ میں بیان ہو چکا ہے۔

مقصود اس سے یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کی راحت کا اس قدر اہتمام تھا مگر آج کل لوگوں کو اس کا مطلق اہتمام نہیں۔ اسی لئے بدون اجازت کسی کے ساتھ ہو لیتے ہیں خواہ اس پر گرانی ہی ہو۔

## استادی اور شاگردی کے آداب

صوفیاء نے اس سے منع کیا ہے اور قصہ موسیٰ وخضر سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ ساتھ چلنے کے لئے بھی اجازت لینی چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کی اجازت لی۔ اس کے جواب میں خضر علیہ السلام نے استادانہ ناز سے کام لیا کہ تم میرے ساتھ رہ کر تحمل نہیں کر سکتے (۳) ممکن ہے ان کو کشف سے معلوم ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خطا پر متنبہ کرنے کے لئے بھیجا ہے اس لئے ان کے ساتھ ناز استادانہ برتنا مناسب ہے کہ

(۱) تیرے ساتھ میں تیرے سایہ کا ہونا بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ جب کسی سے عشق ہوتا ہے تو ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں (۲) جب عشق کا حال یہ ہو کہ محبوب کے ساتھ اس کے سایہ کا ہونا بھی پسند نہ ہو اس کے ساتھ سوکن کا ہونا کب پسند ہوتا (۳) برداشت۔

اس سے اصلاح کامل ہوگی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴾ (۱) کہ نہیں ''ان شاء اللہ آپ مجھے صابر و متحمل پائیں گے اور میں کوئی بات آپ کے خلاف نہ کرونگا'' سبحان اللہ! کیسی شان ہے کہ ابھی تو تمام عالم کے پیشوا اور مقتدا بنے ہوئے تھے اور آج دوسرے کی شاگردی اور اطاعت پر آمادہ ہیں۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴾ (۲) کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو چپ چاپ ساتھ ہولیں کسی معاملہ میں خود سوال کی ابتدا نہ کریں جب تک میں خود نہ بتلاؤں۔

## سالک کو سکوت لازم ہے

اس میں خاموشی کی تعلیم تھی (۳) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ سالک کو سکوت (۴) لازم ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''ہر درویشے کہ چون و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چون و چرا کند ہر دو را در چراگاہ باید فرست'' (۵)۔

## واقعاتِ خضر علیہ السلام کو تعلیم سلوک سے کچھ علاقہ نہیں

اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام نے طریقت کی یعنی طریق باطنی کی تعلیم دی تھی، ہرگز نہیں۔ کیونکہ طریقت شریعت

(۱) سورۂ کہف: ۶۹ (۲) سورۂ کہف: ۷۰ (۳) لکون ما اصاب موسیٰؑ من جهة الكلام وسرعة القول وبداهة الجواب وعلاجه الثانی فی الكلام والتدبر والتامل فيه قبل ان يتلفظ به واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ ظ۔ (۴) سالک کے لئے شیخ کے سامنے خاموش رہنا ضروری ہے (۵) ہر وہ سالک جو اپنے شیخ سے ہر بات میں سوال کرے اور اس حکم کی وجہ معلوم کرے اس کو اور ہر اس طالب علم کو جو استاد سے حکم کی وجہ دریافت نہ کرے دونوں کو جنگل میں جا کر رہنا چاہیئے۔

سے جُدا نہیں۔ شریعت ہی کی تکمیل ظاہر و باطن کا نام طریقت ہے اور اس میں موسیٰ علیہ السلام سے حضرت خضر زیادہ عالم نہ تھے اور جو واقعات ملاقات خضر علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوئے ہیں جن میں حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا علم ظاہر کیا تھا ان کو طریقت سے کچھ بھی علاقہ نہیں بلکہ وہ تو محض کسب تکوینی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کشف نہ کوئی نہ کمال ہے نہ مقصود ہے (۱)۔ ہاں بلا طلب کے کسی کو حاصل ہو جائے تو نعمت ہے کیونکہ وہ بھی ایک علم ہے۔

اور میں نے جو خضر علیہ السلام کے اقوال سے مسائل سلوک مثلاً سکوت سالک وغیرہ کا استنباط کیا ہے سو نہ اس وجہ سے کہ یہاں سلوک کی تعلیم تھی بلکہ اس وجہ سے کہ خضر فی نفسہ شیخ طریقت تھے ان کا مذاق یہی تھا۔ تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم عملاً کس طرح دی کہ ان کو خضر علیہ السلام کا شاگرد بنایا گیا جو اُن سے کسی طرح بھی درجۂ قرب میں زیادہ نہ تھے۔ نہ علوم شرائع ونبوت میں افضل تھے۔

اسی کی طرف یہاں ﴿اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ بڑھا کر ہم کو متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھو ہم نے کلام میں کس قدر احتیاط کی ہے تم کو بھی احتیاط کرنی چاہیئے۔

## آیت کے الفاظ میں ربط

اب سمجھو کہ میں نے ﴿لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ﴾ کے ترجمہ میں یہ کہا ہے کہ تم اُس شہر میں مع اسباب واثقال (۲) کے نہ پہنچ سکتے تھے۔ حالانکہ نص میں صرف ﴿بٰلِغِيْهِ﴾ وارد ہے۔ بالغیه بها نہیں ہے مگر قرینۂ مقام سے یہ بات معلوم ہے کہ مراد بھی یہی ہے کہ تم مع اسباب واثقال کے وہاں نہ پہنچ سکتے تھے کیونکہ اگر بلوغ مع

(۱) ہونے والے حالات کا بذریعہ کشف علم ہو جانا نہ کمال ہے نہ مقصود (۲) سامان اور بوجھ کے ساتھ۔

الاثقال مراد نہ ہوتا تو (۱) ﴿ لَّمْ تَكُونُوا بٰلِغِيْهِ ﴾ کو ﴿ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ ﴾ سے ربط (۲) نہ ہوگا (۳)۔ پس ربط اس بات کو چاہتا ہے کہ ﴿ لَّمْ تَكُونُوا بٰلِغِيْهِ ﴾ سے مراد لم تکونوا بٰلغیہ بہا ہے۔ اور جب یہ مراد ہے تو مقام مبلغیہ کو مقتضی ہے اب یہ سوال ہوگا کہ اس کی جگہ ﴿ بٰلِغِيْهِ ﴾ کیوں فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مبالغہ کے لئے (۴) ﴿ بٰلِغِيْهِ ﴾ اختیار فرمایا کہ تم مع اسباب کے تو کیا جریدہ بھی وہاں نہ پہنچ سکتے تھے (۵)۔ اور مبالغہ خلاف احتیاط نہیں۔ کیونکہ مخاطب پر مبالغہ کا مبالغہ ہونا مخفی نہیں رہتا۔ (۶) اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ﴾ یعنی خدا تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے سواری اور زینت کے لئے۔ یہاں حق تعالیٰ نے دو نعمتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک رکوب (سوار ہونا) دوسرے زینت چونکہ یہ مجموعہ سب انعام میں نہیں ہے (۷) اس لئے اس کو خیل و بغال وحمیر (۸) کے ساتھ ذکر فرمایا۔ کیونکہ اونٹ کی سواری میں کوئی زینت نہیں ہاں گھوڑے کی سواری میں بڑی زینت ہے اور خچر میں بھی زینت ہے کیونکہ وہ گھوڑے کے قریب ہی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض رؤسا فٹن میں خچر کو بھی جوڑتے ہیں (۹) مگر گدھے میں شاید کلام ہو کہ

(۱) سامان سمیت پہنچنا مراد نہ ہوتا تو (۲) قلت ولا یخفی مافیہ فان الربط حاصل بدون ذلك ایضا والمعنی تحمل اثقالم الی بلاد بعیدة لم تکونوا واصلین الیها مشاة خفافا ستجردین ایضا ای ومع الاثقال بالاولیٰ ۱۲ظ۔ (۳) جوڑ نہ ہوگا (۴) قلت وعندی لا مبالغة فیه فان بعض البلاد لاتیسیر الوصول الیها ماشیا متجرد الا بشق الانفس فی نفس الامر وقوله الی بلد عام لکونه نکرة فیصدق الکلام بالبلاد والبعیدة غایة البعد التی لا یقدر الانسان بالمشی علی وصولها الا فی شهر وسنین مع التعب الشدید واللّٰه تعالی اعلم ففیه دلالة علی نعمة المرکوب ایضاً قلت وهذا من باب اختلاف الذوق فان بعض الربط قریب عند واحدٍ وبعید عند آخر ۱۲ظ (۵) تم سامان کے ساتھ تو کیا پہنچتے بغیر سامان کے بھی نہیں پہنچ سکتے تھے (۶) جس سے کلام کیا جارہا ہے اس پر بات پوشیدہ نہیں کہ یہاں مبالغہ کے طور پر کلام ہے (۷) سب جانوروں میں نہیں (۸) گھوڑے، خچر اور گدھے (۹) بگھی میں خچر بھی باندھتے ہیں۔

اس میں کون سی زینت ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ گدھے بھی سب گدھے نہیں ہوتے بلکہ بعضے گدھے خچر کے قریب ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ جیسے خچر گھوڑے کے قریب ہے اسی طرح خر خچر کے [1] قریب ہے اور قریب کا قریب قریب ہے۔

## اشکال کا جواب

مگر اس پر معقولی طلباء کو یہ اعتراض ہوگا کہ اس طرح تو کلکتہ بھی قریب ہے کیونکہ ہمارے سے دہلی قریب ہے اور دہلی سے علی گڑھ، اس سے ٹونڈلہ، اُس سے کانپور، اُس سے الہ آباد، اسی طرح قریب سے قریب کو ملاتے جاؤ اور اخیر میں کہہ دینا کہ قریب کا قریب قریب ہے۔ مگر انہوں نے غور نہیں کیا کیونکہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قریب کا قریب قریب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے درمیان وسائط زیادہ نہ ہوں اور عرفاً ایک دو واسطہ سے بُعد نہیں ہوتا اس سے زیادہ سے بُعد ہو جاتا ہے اور قرآن میں کلام محاورات کے موافق ہے اس کو عرف سے سمجھنا چاہیئے۔ سو عرف میں ایک دو واسطہ بعید نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کوئی اپنے کو فاروقی صدیقی کہے تو اس میں بُعد نہیں۔ اور کوئی اپنے کو نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرے تو اس میں بُعد ہوگا۔

## ایک بھنگی کا لطیفہ

جیسے ایک بھنگی ڈوبنے لگا تھا اُس نے چلا کر کہا۔ ارے میں ڈوبا مجھے بچاؤ تو کسی نے اُس کے حال پر توجہ نہ کی تو اُس نے یوں کہنا شروع کیا کہ نبی زادہ ڈوبا

(۱) گدھا خچر کے قریب ہے۔

جاتا ہے جلدی بچاؤ۔ یہ سن کر لوگ دوڑ پڑے اور اس کو نکال لیا۔ دیکھا تو بھنگی ہے۔ کہا تو نبی زادہ کدھر سے ہوگیا تو وہ جواب دیتا ہے کہ آدم علیہ السلام نبی تھے یا نہیں؟ کہا ہاں۔ کہا میں آدم کی اولاد میں ہوں یا نہیں؟ تو میں بھی نبی زادہ ہوا۔

## گدھے کی عقلمندی اور آواز کی ناپسندیدگی

تیسرے یہ کہ گدھا غریب تو خواہ مخواہ ہی ذلیل اور بدنام ہے ورنہ عقلاً اس میں ذلت کی کیا چیز ہے مشہور یہ ہے کہ گدھا بیوقوف ہوتا ہے۔ مگر ایک گدھے والے جو شیخزادہ تھے اور پزادہ (۱) کا کام کرتے تھے مجھ سے کہتے تھے کہ گدھا بڑا عاقل ہوتا ہے (۲) اب ہمیں تحقیق کی ضرورت نہیں پس تقلید ہی کافی ہے ہاں اس کی آواز البتہ منکر ہے (۳) مگر یہ ذلت کا سبب نہیں ہوسکتا۔ آخر توپ کی آواز ہی کونسی اچھی ہے کان کے پردے پھاڑ ڈالتی ہے مگر ذلیل نہیں پس یہ مسلّم کہ گدھے کی آواز بُری ہے۔ خصوصاً جب کہ سب مل کر بولیں ہمیں اس کا زیادہ تجربہ ہے کیونکہ ہم گدھوں کے محلّہ میں رہتے ہیں اس لئے مجھے اس پر اتفاق ہے اور نص میں بھی تو اس کی آواز کو ﴿ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ ﴾ (۴) کہا گیا ہے مگر صوت کے منکر ہونے سے اس کی ذات میں ذلت نہیں آئی۔

---

(۱) بھٹہ پر اینٹیں پکانے کا کام کرتے تھے جس کی وجہ سے گدھوں پر اینٹیں لاد کر لے جاتے تھے (۲) گدھوں کے عقلمندی کے متعلق والد گرامی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ جب آپ حج کے لئے تشریف لے گئے تو اس وقت لوگ منٰی سے عرفات گدھوں پر جاتے تھے بسوں کا انتظام نہیں تھا فرماتے تھے ہم آٹھ دس آدمی تھے ایک گدھے والے نے دس گدھے ہمیں دیے اور کہا ان پر سوار ہوجاؤ یہ خود تمہیں عرفات پہنچادیں گے وہاں میرا بیٹا کھڑا ہوگا اس کو گدھے سپرد کردینا۔ ہم سوار ہوکر چلے جس گدھے پر میں سوار ہوا وہ دوسرے گدھوں سے الگ ہوکر اور راستہ سے ہوتا ہوا سب سے پہلے میدان عرفات پہنچ گیا جہاں گدھے والے کا لڑکا کھڑا تھا اس نے بتایا کہ یہ سب سے پرانا گدھا ہے عقلمند ہے اور مختصر راستوں سے واقف ہونے کی وجہ سے سب سے پہلے پہنچا ہے ۱۲ خلیل (۳) ناپسندیدہ (۴) آوازوں میں سب سے ناپسندیدہ آواز کہا گیا۔

# حدیث (( اذا سمعتم نہیق الحمار )) پر ملاحدہ کا اعتراض اور اس کا جواب

اور ایک عجیب بات ہے کہ گرمیوں کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ گدھے زیادہ بولتے ہیں اسی کی بنا پر بعض ملحدین نے اس حدیث پر اعتراض کیا ((اذاسمعتم نہیق الحمار فتعوذوا باللّٰہ فانہ رای شیطانا )) ''کہ جب گدھے کی آواز سنو تو اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اُس نے شیطان کو دیکھا ہے اور اس کو دیکھ کر بولا ہے'' کہ اگر وہ شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ گرمیوں میں زیادہ بولتا ہے۔کیا گرمیوں میں شیطان کو زیادہ دیکھتا ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ یہ کہ ہاں یہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ شیاطین نار (۱) سے پیدا ہوئے ہیں ممکن ہے ان کو حرارت سے خوشی ہوتی ہو اس لئے گرمیوں میں زیادہ پھیلتے ہوں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں ((انہ رای شیطانا)) قضیہ مطلقہ ہے جو بعض ازمنہ میں وقوع سے بھی صادق ہوسکتا ہے (۲) لہذا نہیق حمار کے بعض افراد بھی اگر رؤیت شیطان سے ناشی ہوں یہ قضیہ صادق ہوجائیگا۔ (۳) یہ ضروری نہیں کہ ہر نہیق کا سبب رؤیت شیطان ہی ہو (۴) اور یہ وہ بات ہے جو میں نے دہلی کے ایک جلسہ میں ایک عالم کے جواب میں بیان کی تھی۔اور یہ وہ وقت تھا جبکہ یونان نے ترکی حکومت کو شکست دیکر اوڈریانوپل وغیرہ فتح کر لئے تھے جس سے بعض ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے دلوں

(۱) آگ (۲) اس جملہ میں ایک ایسی بات کی خبر دی گئی جس کا ہمیشہ پایا جانا ضروری نہیں بلکہ اگر بعض دفعہ شیطان کو دیکھ کر بولے تو یہ بات صحیح ہے (۳) چنانچہ اگر چند گدھے شیطان کو دیکھ کر بولتے ہوں اور باقی اپنی طبعی تقاضے سے بولتے ہوں تب بھی یہ بات درست ہے (۴) یہ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ بولنے کا سبب شیطان کو دیکھنا ہی ہو۔

میں اضطراب اور تزلزل آ گیا تھا اور ملاحدہ تو برملا کہنے لگے تھے کہ خدا بھی نصرانیت کا حامی ہے اسلام اور مسلمانوں کا حامی نہیں۔ اس پر دہلی کے بعض مخلصین نے مجھے بلایا کہ یہاں بیان کی سخت ضرورت ہے تاکہ اس قسم کے شبہات کا ازالہ کیا جائے چنانچہ میں گیا اور اسی موضوع پر بیان ہوا جس میں اس قسم کے شکوک وشبہات کا بہت خوبی کے ساتھ بحمدللہ ازالہ کر دیا گیا اور خاتمۂ پر بطور اتمام حجت کے میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اب بھی کسی کے ذہن میں کچھ شبہ اور وسوسہ ہو تو ظاہر کر دے ایسا نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد یوں کہا جائے کہ یہ شک رہ گیا اور وہ شبہ رہ گیا اور یہ بات منجانب اللہ اتمام حجت کے لئے میری زبان سے نکل گئی تھی ورنہ میں اس قابل نہ تھا کہ اس طرح تحدی کے ساتھ اعلان کرتا۔

## ﴿اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ پر اعتراض اور اس کا جواب

اس پر ایک پنجابی عالم کھڑے ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ م بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ﴾(۱) ’’اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ اس زمین کے وارث و مالک میرے نیک بندے ہونگے‘‘ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس کے مالک کفار ہو گئے۔ میں نے کہا مولانا آپ تو عالم ہیں ذرا یہ تو دیکھئے کہ یہ قضیہ دائمہ ہے یا مطلقہ ہے؟ چونکہ وہ عالم تھے اتنی ہی بات سے سمجھ گئے اور کہا بس بس میں سمجھ گیا اب کچھ شبہ نہیں رہا۔

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے مالک ہمیشہ نیک ہی بندے ہونگے کفار کبھی مالک نہ ہونگے۔ بلکہ اس میں اطلاق کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہونگے اور اطلاق کے

(۱) سورۂ انبیاء: ۱۰۵۔

صدق کے لئے ایک بار وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد للہ حضرات صحابہ روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں۔ زمانۂ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی۔ اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آیت میں ﴿اَنَّ الْاَرْضَ﴾ سے مراد یہی دُنیا کی زمین ہے۔ ورنہ ظاہراً آیت کے سیاق وسباق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ارض جنت ہے(۱)۔ (کہ جنت کی زمین کے مالک نیک بندے ہونگے۔ اس پر کچھ بھی اشکال نہیں خوب سمجھ لو۱۲ظ)۔ بہر حال حدیث پر کچھ اشکال نہیں ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیق حمار کا سبب رؤیت شیطان ہے مگر یہ دائمی سبب نہیں۔ ممکن ہے کبھی وہ اپنی طبیعت سے بھی چیختا ہو۔

اور قضیہ کے مطلقہ یا دائمہ ہونے (۲) پر نظر کرنے سے بہت سے اشکال دفع ہوجاتے ہیں مگر اہل علم اس پر نظر نہیں کرتے اس لئے بعض اشکالات کے جواب میں پریشان ہوجاتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ جب کسی آیت یا حدیث پر اشکال وارد کیا جائے کہ یہ حکم فلاں مادہ میں متخلف ہے (۳) فوراً اس پر اول نظر کی جائے کہ آیت یا حدیث میں حکم دائمی ہے یا مطلق، تو ان شاء اللہ معلوم ہوگا کہ زیادہ اشکالات کا منشا یہ ہے کہ لوگوں نے مطلقہ کو دائمہ سمجھ لیا ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ گدھے کی آواز کا منکر ہونا مسلّم ہے مگر اس سے زینت پر کیا کلام ہے۔ آواز کو زینت میں کچھ دخل نہیں بلکہ جس فن کی زینت عام طور پر

(۱) وھذا ھوالذی اختارہ الشیخ فی تفسیرہ بیان القرآن وظنی ان اکثر المفسرین علی ذلک واللہ تعالی اعلم ۱۲ظ (۲) کسی جملہ میں جب کوئی حکم مطلق بیان کیا جاتا ہے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس جملہ میں یہ حکم دائمی طور پر بیان کیا ہے یا مطلق اگر مطلق بیان کیا ہے تو ایک دفعہ وقوع ہونے پر یہ جملہ صحیح شمار ہوگا (۳) جب یہ اعتراض کیا جائے کہ فلاں جگہ اس حکم کے خلاف بات پیش آئی ہے تو فوراً دیکھنا چاہئے کہ حدیث وقرآن میں یہ حکم مطلق بیان کیا ہے یا دائمی۔

آواز ہی سے سمجھی جاتی ہے یعنی فن موسیقی اُس میں بھی اہل کمال آواز کی عمدگی کو کمال نہیں سمجھتے بلکہ کمال دوسری شئے (۱) کو سمجھتے ہیں چنانچہ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ایک زمانہ میں جبکہ مولانا گورنمنٹ کے مدارس کے ممتحن مقرر تھے اور اجمیر میں ملازم تھے فن موسیقی سیکھنے کا شوق ہوا اور اس شوق کا منشا صرف یہ تھا کہ مولانا کو جامعیت (۲) کا شوق تھا۔ ہر علم کو حاصل کرنا چاہتے تھے اس کے سوا اور کچھ منشا نہ تھا۔ کیونکہ مولانا کے ہم عمروں میں سے ایک ثقہ نے (جن کا نام مولوی رعایت الحق تھا) مجھ سے بیان کیا ہے کہ مولانا بچپن اور جوانی میں بھی ویسے ہی نیک تھے جیسے بڑے ہوکر نیک تھے۔ مولانا نے جوانی میں بھی کبھی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا (۳)۔

## مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک میر صاحب سے موسیقی سیکھنا پھر دونوں کو اس سے نفرت ہونا

غرض مولانا نے ایک میر صاحب سے جو فن موسیقی کے ماہر تھے اس فن کو حاصل کیا۔ پھر مولانا کو تو اس شغل سے خدا تعالیٰ نے اس طرح نکالا کہ ایک دن آپ اپنے حجرہ میں بیٹھے ہوئے جو لب سڑک بالاخانہ پر تھا موسیقی کی مشق کررہے تھے کہ ایک مجذوب نیچے سے گذرا اور اُس نے پکار کر کہا ارے مولوی! تجھے خدا نے اس کام کے واسطے پیدا نہیں کیا دوسرے کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ مولانا کے دل میں تو اسی وقت سے نفرت پڑگئی اور اس شغل کو چھوڑ دیا۔ اور مولانا کے استاد کو اس طرح نفرت ہوئی کہ ایک دفعہ کوئی راجہ اجمیر آیا وہ اس فن کا شائق تھا اُس نے سب اہلِ کمال کو جمع کیا ان میں وہ میر صاحب بھی تھے۔ انہوں نے جب گانا شروع کیا

(۱) چیز (۲) کہ مولانا ہر فن کے جامع ہوں (۳) گناہ نہیں کیا۔

تو راجہ کے ہمراہ جو ایک استاد تھا اس نے ان کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے بس اس پر انہوں نے ستار وغیرہ پھینک دیا اور کہا لعنت ہے اس کام پر جس میں کمال حاصل کرنے کی داد وہ ملتی ہے جو ایک ڈوم کو داد دی جاتی ہے کہ کیا گلا پایا ہے۔ کیا موسیقی اس کا نام ہے کہ آوز اچھی ہو آواز تو ایک رنڈی کی اور ایک بچہ کی مجھ سے اچھی ہوسکتی ہے۔ اگر میرے فن کی یہی قدر ہے تو میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں اس واقعہ سے اُن کو گانے بجانے سے نفرت ہوگئی اور دونوں استاد شاگرد اس کام سے تائب ہوگئے۔ یہ بظاہر مولانا کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے مولانا کے استاد کو بھی آپ کی صحبت کی برکت سے توبہ نصیب کی۔

تو دیکھئے حالانکہ گانے بجانے کی خوبی اور زینت آواز ہی سے ہے مگر اہلِ کمال کی نظر میں اس کی کچھ وقعت نہیں بلکہ وہ کمال کسی اور چیز کو سمجھتے ہیں پس آواز کی خرابی سے گدھے کی زینت میں خرابی نہیں۔ مگر اس کو زیور اور عمدہ زین لگام پہنایا جائے تو گھوڑے کی طرح یہ بھی اچھا لگے گا۔ بمبئی میں دو سیٹھ بے اولادے تھے انہوں نے اپنا حوصلہ نکالنے اور شوق پورا کرنے کے لئے ایک گدھے اور گدھی کی شادی کی تھی اولاد والے تو اپنے بیٹے بیٹی کی شادی میں دل کے حوصلے نکالتے ہیں اور نام ونمود کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں بے اولادوں کو یہ خبط سوجھتا ہے کہ لاؤ جانوروں ہی کو بیٹا اور بیٹی بنا کر اُن کا بیاہ کردیں چنانچہ ایک سیٹھ کا گدھا تھا ایک کی گدھی تھی۔ ایک گدھے کا باپ بنا ایک گدھی کا اور دونوں کو خوب عمدہ لباس پہنایا گیا۔ گدھی کو زیوروں سے آراستہ کیا گیا تو یقیناً وہ گدھی زینت میں گھوڑے سے کچھ کم نہ رہی ہوگی۔

## عربی اور ہندوستانی گدھوں میں فرق

ہندوستان کے گدھے اس واسطے بھی اچھے نہیں لگتے کہ ان کی خدمت

نہیں کی جاتی جس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں گدھے کی سواری کو معیوب سمجھا جاتا ہے اگر یہاں گھوڑے کی طرح گدھے کی بھی سواری کا رواج ہوجاتا اور گھوڑے کی طرح اس کی خدمت کی جاتی تو اتنا بُرا نہ لگتا۔ چنانچہ عرب کے گدھے یہاں کے گدھوں سے اچھے ہوتے ہیں (خصوصاً نجد کے ۱۲ظ) اُن میں زینت بھی ہے اور سواری کا کام بھی گھوڑے کے برابر دیتا ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ لباس اور زیور وغیرہ سے اونٹ میں بھی زینت آجائے گی وہ بھی اچھا لگنے لگے گا؟ تو میں کہتا ہوں ہاں۔ لیکن اس کی بے ڈھنگی رفتار ساری زینت کو کھودیتی ہے ۔

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق تحسین کنند واو خجل از زشت پائے خویش (۱)

(میں کہتا ہوں کہ لباس کی زینت قابل اعتبار نہیں یہ تو محض عارضی ہے لباس وزیور تو ایک بیجان تصویر میں بھی زینت پیدا کردیتے ہیں اور اوپر اس کا ذکر محض تبرعاً ہوا ہے اور بظاہر آیت میں اونٹ کے لئے رکوب وزینت کا بیان نہ کرنا اس پر مبنی ہے کہ اصل خلقت اہل رکوب و زینت کے لئے نہیں ہے بلکہ حمل اثقال الی بلاد بعیدہ کے لئے ہے کہ اس سے رکوب وزینت کا کام بھی (۲) لے لیا جائے اور اصل خلقتِ خیل و بغال وحمیر رکوب وزینت کے لئے ہے گو ان سے بھی حمل اثقال کا کام لے لیا جائے (۳) فلا یلزم نفی الرکوب والزینة عن الابل واللہ اعلم ۱۲ظ)

---

(۱) ساری مخلوق مور کے خوبصورت نقش ونگار دیکھ کر اس کی تعریف کرتی ہے اور وہ اپنے پیروں کی بدصورتی دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے۔ (۲) اگرچہ اس سے سواری اور زینت کا کام بھی لیا جائے (۳) اور اونٹ گھوڑے اور گدھے کی تخلیق و پیدائش سواری اور زیب وزینت کے لئے ہے اگرچہ ان سے بوجھ اٹھانے کا کام بھی لے لیا جائے۔

## تفسیری نکتہ

اور یہاں ایک اور نکتہ قابل غور ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ﴿لِتَرْكَبُوْهَا﴾ پر تو لام غایت داخل کیا ہے اور ﴿زِيْنَةً﴾ پر لام داخل نہیں کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ رکوب (۱) تو ایسی غرض ہے جو قابل قصد ہے جو شان غایت کی ہوتی ہے اور زینت قابل قصد نہیں بلکہ امور زائدہ میں سے ہے۔ اس لئے اس کو بصورت غایت ذکر نہیں فرمایا گو معناً غایت ہی ہے۔

## زیب و زینت کے احکام

لیکن یہ امر مقصوداً قابل تحقیق ہے کہ اگر کوئی شخص زینت ہی کے لئے اور اسی قصد سے کسی چیز کا استعمال کرے مثلاً عمدہ لباس پہنے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے مگر اطلاق کے ساتھ نہیں جس سے اہلِ تفاخر کو گنجائش مل سکے بلکہ اس میں تفصیل ہے جس کو موارد سے سمجھاتا ہوں (۲)۔ وہ تفصیل یہ ہے کہ عمدہ لباس اپنا جی خوش کرنے کے لئے یا اپنے کو ذلت سے بچانے کے لئے یا دوسرے شخص کے اکرام کے لئے پہنے تو جائز ہے مثلاً اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ فلاں جگہ تشریف فرما ہیں تو ہم یقیناً عمدہ لباس پہن کر جائیں گے اور اس وقت مقصود حضور ﷺ کی تعظیم ہوگی۔ انسان اپنے معظم کے سامنے اچھے ہی لباس میں جایا کرتا ہے۔ تاکہ اس کی عظمت ظاہر ہو۔ ہاں عمدہ لباس اس نیت سے پہننا حرام ہے کہ اپنی عظمت ظاہر کی جائے اور دوسروں کی نظر میں اپنی بڑائی ثابت کی جائے۔

---

(۱) سواری کرنا (۲) مثالوں سے سمجھاتا ہوں۔

## لباس کے چار درجے

خلاصہ یہ ہوا کہ لباس میں چار درجے ہیں۔ ایک تو ضرورت کا درجہ ہے، دوسرا آسائش کا، تیسرا آرائش بمعنی زینت کا، یہ تین درجے تو مباح ہیں (۱) بلکہ پہلا درجہ واجب ہے۔ اور چوتھا درجہ نمائش کا ہے یہ حرام ہے اور یہ لباس ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر چیز میں یہی چار درجے ہیں ایک ضرورت، دوسرا آسائش، تیسرا آرائش، چوتھا نمائش۔ ضرورت کا قافیہ بھی اگر مل جاتا تو اچھا ہوتا کہ کلام میں زینت ہوجاتی اور زینت جائز ہے۔ غرض دوسروں کی نظر میں اپنی وقعت بڑھانے کو زینت کرنا حرام ہے باقی نفس زینت حرام نہیں دیکھئے شریعت کی کیسی پاکیزہ حدود ہیں اور اس میں کس قدر وسعت ہے کہ چار درجوں میں سے صرف ایک درجہ کو حرام کیا گیا ہے۔ باقی سب کی اجازت ہے مگر افسوس ملحدین آنکھیں بند کر کے شریعت پر تنگی کا الزام لگاتے ہیں۔ واللہ ان لوگوں نے شریعت کو دیکھا ہی نہیں اور اگر دیکھا ہے تو سمجھا نہیں۔

## اللہ تعالیٰ انسان کی ضروریات کو پیدا فرماتے رہتے ہیں

اس کے بعد ارشاد ہے: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ وہ وہ چیزیں پیدا کرتے ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ مطلب یہ ہے کہ مخلوقات الٰہیہ کا تمہاری معلومات ہی میں انحصار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر نہیں۔ مثلاً زمین کے اندر بعض جراثیم ایسے پیدا ہوتے ہیں جو انسان وحیوان کے لئے قاتل ہیں اور بعض مواد ایسے پیدا ہوتے ہیں جو موذیات (۲) کو فنا کرنے والے ہیں ہم کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کون سا مادہ کب پیدا ہوا اور کب فنا ہوگیا یہ تو آیت کی تفسیر تھی۔

---

(۱) جائز ہیں (۲) تکلیف پہنچانے والے جانوروں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔

## چند فوائد

اب میں اس کے متعلق چند فوائد ذکر کرنا چاہتا ہوں ایک فائدہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ایک سواری ریل ایجاد ہوئی ہے بعض ذہینوں کو اس کے متعلق اس کی تلاش ہے کہ ریل کا ذکر بھی قرآن شریف میں کہیں ہے یا نہیں ہر چند کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ قرآن حرفت و صنائع اور ایجادات کے بیان کرنے کو نازل نہیں ہوا جیسا کہ بارہا میں نے اس پر متنبہ کیا ہے اور قرآن کو جو: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ کہا گیا ہے (۱) تو وہاں کل شیء سے مراد کل شیء من امور الدین ہے (۲) نہ کہ کل شیء ولو من امور الدنیا (۳)۔ اس لئے یہ تحقیق مذکور محض ایک امر زائد ہے لیکن تبرعاً میں اس کو بھی بیان کرتا ہوں کیونکہ اس وقت یہ بیان ایک ایسی ہی نعمت کے شکریہ میں ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ریل کی صورت میں ہم کو عطا فرمائی ہے اور جس کو دوسرے مرکوبات کے ساتھ وصف مرکوبیت میں مشارکت بھی ہے۔ (۴) سو بعض ذہینوں نے اس کو سورۂ یٰسٓ کی اس آیت: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾ (۵) میں داخل کیا ہے کہ اس میں ریل کا بھی ذکر آ گیا ہے (کیونکہ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ لوگوں کے لئے اس بات میں بھی قدرت کی دلیل موجود ہے کہ ہم نے اُن کی اولاد (۶) کو بھری بھری کشتیوں میں سوار کیا اور ہم نے ان کے لئے کشتی اور جہاز کے مشابہ اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار

(۱) ہر چیز کو بیان کرنے والا کہا گیا ہے (۲) دینی امور میں سے تمام چیزوں کو بیان کرنے والا ہے (۳) نہ کہ ہر وہ چیز جو دنیاوی معاملات میں سے ہو (۴) دوسری سواریوں کے ساتھ سواری ہونے کی حیثیت سے مشابہت بھی ہے (۵) سورۂ یٰسٓ: ۴۱،۴۲ (۶) تجار عموماً اپنی اولاد ہی کو سفر میں بھیجتے تھے اور خود دکان پر رہتے تھے اس لئے اولاد کا سوار کرنا مذکور ہوا ۱۲ ظ۔

ہوتے ہیں) اور ریل سب سے زیادہ کشتی اور جہاز کے مشابہ ہے کہ جیسے جہاز میں انسان اپنی تمام ضروریات کو ساتھ لے کر سفر کرتا ہے ایسے ہی ریل میں کرسکتا ہے مگر یہ قرآن کی تحریف ہے کیونکہ یہاں: ﴿خَلَقْنَا لَهُمْ﴾ صیغہ ماضی کا ہے تو لازم آئیگا کہ ریل کا وجود حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہو اور اس کا بطلان ظاہر ہے [۱] بلکہ اس سے مراد بعض کے نزدیک تو اونٹ ہے اور اس کا لطف عربیت کے جاننے سے زیادہ آئیگا کیونکہ اہل عرب اونٹ کو سفائن البر یعنی خشکی کا جہاز کہتے تھے۔ چنانچہ یہ مصرعہ مشہور ہے سفائن بر والسراب بحارھا [۲] اور میرے نزدیک اس سے مطلق انعام مراد ہیں کیونکہ سورۂ زخرف میں ہے: ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ﴾ [۳] یہاں فلک اور انعام دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انعام و کشتی باہم متناسب ہیں مگر مماثلت کی صورت جب ذہن میں آئے گی کہ کشتی تو چھوٹی لو اور جانور بڑا یہ نہیں کہ جانور چھوٹا لو اور جہاز سے اس کا موازنہ کرو۔

## بیربل کی ہوشیاری

جیسے بیربل اور اکبر شاہ کا قصہ ہے کہ اکبر نے بیربل سے کہا تھا کہ مثل مشہور ہے راج ہَٹ، تریا ہَٹ، بالک ہٹ [۴]۔ سو اول کی دو ضدیں تو واقعی سخت ہیں باقی تیسری کیا مشکل ہے۔ بیربل نے کہا حضور سب سے سخت تو یہی ہے۔ البتہ اگر عقل ہو تو پھر مشکل نہیں۔ اکبر شاہ نے کہا اس میں عقل کیا ضرورت ہے بیربل نے کہا بہت اچھا میں بچہ بنتا ہوں۔ آپ میری ضد پوری کیجئے، بادشاہ نے کہا اچھا

(۱) اور اسکا غلط ہونا ظاہر ہے　(۲) وہ خشکی کا جہاز ہے اور ریگستان اس کا مرجع ہے (۳) ''تمہارے لئے کشتیاں اور جانور بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو'' سورۂ زخرف: ۱۲ (۴) بادشاہ کی ضد، عورت کی ضد اور بچے کی ضد۔

تم بچہ بنو اور ضد کرو ہم ہر ضد کو پورا کریں گے۔ بیربل نے بچوں کی طرح رونا شروع کیا اور کہا ہم تو ہاتھی لیں گے، اکبر نے فیل خانہ سے ہاتھی منگوا دیا اس نے پھر رونا شروع کیا اور کہا ہم تو کلھیا لیں گے (۱) اکبر نے گُلھیا بھی منگوادی وہ پھر رونے لگا اور کہا ہاتھی کو گُلھیا میں رکھو۔ یہاں اکبر عاجز ہوگیا۔ اور کہا اچھا تم جو کہتے تھے کہ اگر انسان عاقل ہو تو بچوں کی ضد پوری کرسکتا ہے۔ یہاں عقل کیا کام دے گی۔ بیربل نے کہا حضور عقل کے ساتھ بچہ کی ضد ضرور پوری کی جاسکتی ہے۔ اکبر نے کہا اچھا لو ہم بچہ بنتے ہیں تم ہماری ضد پوری کرو۔ چنانچہ آپ نے اسی سبق کو دوہرایا کہ ہم تو ہاتھی لیں گے۔ بیربل نے بازار سے مٹی کا ننھا سا ہاتھی منگا دیا۔ پھر کہا ہم تو گُلھیا لیں گے اس نے بڑی سی گُلھیا منگا دی۔ پھر کہا ہاتھی کو اس میں بند کرو۔ بیربل نے ہاتھی کو گُلھیا میں رکھ دیا اور کہا حضور نے یہ غلطی کی کہ بچہ کی ضد پر فیل خانہ سے (۲) ہاتھی منگایا۔ آپ کو بچہ ہی کے مناسب ہاتھی منگانا چاہیئے تھا۔

اسی طرح یہاں فلک وانعام میں مناسب کا لحاظ کرکے کشتی چھوٹی اور جانور بڑا لینا چاہیئے تھا۔

## تفسیری وضاحت

اور بعض حضرات نے ریل کو سورۂ نحل کی اس آیت: ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ میں داخل کیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کریگا جن کو تم نہیں جانتے) گو یہ تحریف تو نہیں ہے مگر بعید ضرور ہے کیونکہ یخلق بظاہر صیغۂ حال ہے اور ظاہر ہے کہ ان سواریوں میں جو آج کل ایجاد ہوئی ہیں صحابہ کے زمانہ میں کوئی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور اگر اس کو مستقبل لیا جائے تو صحابہ کچھ سمجھے (۳) ہی نہ

(۱) چھوٹی سی مٹی کی ہنڈیا (۲) ہاتھی خانہ سے (۳) کوئی کہہ سکتا ہے کہ اجمالاً اتنا سمجھ گئے ہونگے کہ آئندہ زمانہ میں سواری کے لئے کچھ اور اشیاء بھی پیدا ہوں گی تفصیل سمجھنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ نص میں ﴿مالا تعلمون﴾ موجود ہے ۱۲ ظ۔

ہوں گے۔ پھر یہ ایجادات خلق کے بعد تو معلوم ہوگئیں اور اس آیت کے تحت میں وہی اشیاء داخل ہوسکتی ہیں جو بعد خلق (۱) کے بھی معلوم نہ ہوں اس لئے اس کی تفسیر میں سہل بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے کہ مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کے لئے مثل نعم مذکورہ کے نافع ہیں (۲) اور تم کو ان کی خبر بھی نہیں جیسے مواد ارضیہ جو موذیات کو فنا کرتے رہتے ہیں اور نافع ہونے کی قید باقتضاء مقام ہے کہ اشیاء نافعہ کا ذکر ہورہا ہے۔ (۳) پس حاصل مقام کا یہ ہوا کہ ہم ایسے نفع رساں ہیں کہ بعض چیزوں کی تم کو خبر بھی نہیں اور ہم ان سے تم کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ بس وہی چیزیں تمہارے نفع کی پیدا کی ہیں جو تم کو معلوم ہیں جیسے نعم مذکورہ اور اس تقریر پر ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کا ربط بھی نعم مذکورہ سے ظاہر ہوگیا یعنی ربط تقابل۔

## قرآن کریم میں ریل کا ذکر

اور بعض حضرات نے: ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ﴾ (۴) میں ریل کو داخل کیا ہے کیونکہ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ ﴿مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ میں ہر وہ نعمت داخل ہے جو بندوں کی راحت وآسانی کے لئے ایجاد ہوئی ہے۔ چنانچہ شغدف وغیرہ کو بھی انہوں نے اس میں داخل کیا ہے اس میں البتہ زیادہ بُعد نہیں۔ اسی واسطے میں نے بھی اپنی تفسیر کے حاشیہ میں اس مقام پر لکھ دیا ہے کہ ﴿مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ کے عموم میں ریل بھی داخل ہے۔ اور اتفاق عجیب یہ ہوا کہ جس دن

---

(۱) اگر ﴿یخلق﴾ کو استقبال اور ﴿لا تعلمون﴾ کو حال پر محمول کیا جائے تو اشکال وارد نہ ہوگا۔ ای یخلق فی المستقبل مالا تعلمونه ایها المخاطبون بالقرآن اولا فی هذا الوقت ولا بعد فی ذلك لكون بعض الخطابات مخصوصاً بالصحابة كقوله ﴿وارضا لم تطؤها﴾ ۱۲ظ۔ قلت وهو بعيد فی ذوقی والصنع كلها للحال والخطاب عام للقرائن وتخصيص الخطاب فی ﴿لم تطؤها﴾ لقرينة التخصيص فكيف القياس ۱۲اشرف۔ (۲) جیسے یہ جانور تمہارے لئے مفید ہیں ایسے ہی اور چیزیں جو تمہارے لئے مفید ہیں پیدا کی گئی ہیں (۳) فائدہ مند ہونے کی قید موقع محل کی مناسبت سے لگائی گئی ہے کہ فائدہ مند چیزوں کا ذکر ہورہا ہے (۴) سورۂ فاطر:۲۔

میں اس آیت کی تفسیر لکھ رہا تھا اُسی دن پہلے پہل ہمارے قصبے کے سامنے سے ریل گذری ہے اس لئے میں نے تفسیر کے حاشیہ میں یہ بھی لکھ دیا کہ بحمداللہ آج ہماری بستی کے سامنے سے عیدگاہ کے قریب ریل گذری ہے اوراس کے ساتھ ریل کے جاری ہونے کا سن اور تاریخ بھی لکھ دی تا کہ محفوظ رہے۔ (۱) غرض اس آیت کے تحت میں ریل کو داخل کرنا بعید نہیں اور خود میں نے بھی اسی میں اس کو داخل کیا تھا۔لیکن اس وقت میرے ذہن میں ایک بات اس سے بھی زیادہ قریب آئی ہے وہ یہ کہ اگر ذکر کو حقیقی اور حکمی کے لئے عام لیا جائے تو میرے نزدیک ریل کا ذکر: ﴿وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ﴾ میں سب سے اقرب طرق کے ساتھ ہو جاویگا کیونکہ حق تعالیٰ نے یہاں مراکب میں وجہ نعمت اس غایت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تمہارا بوجھ ایسے بلاد تک پہنچاتے ہیں جہاں تم بدون مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے۔تو جس سواری میں بھی یہ غایت موجود ہوگی وہ حکماً اس نعمت میں داخل ہو کر مثل انعام کے نعمت کی ایک فرد ہوگی اور ریل میں یہ غایت سب سے زیادہ موجود ہے تو وہ بھی حکماً اس نعمت میں داخل ہے۔اور جب نعمت میں داخل ہے تو جس طرح نعمت اَنعام پر (۲) ہم کو شکر کی تعلیم دی گئی ہے اسی طرح نعمت ریل پر بھی شکر ادا کرنا چاہیئے مگر اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

## ریل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور اس پر مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حکایت

میں نے بچپن میں مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا (جو تھانہ بھون کے بڑے علماء

---

(۱) اس ریل کے تھانہ بھون میں جاری ہونے کا وقت جو تفسیر کے حاشیہ میں لکھا ہے ۲۳ ماہِ صفر ۱۳۲۵ھ ہے ۱۲ ظ۔ (۲) جانور جو اللہ کی ایک نعمت ہیں ان کے حصول پر شکر واجب ہے۔

میں سے تھے ۱۲) ایک وعظ سنا تھا اس وقت میری عمر زیادہ نہ تھی مگر مولانا سے مجھے محبت تھی اور مولانا کو مجھ سے محبت تھی اس لئے میں کوشش کر کے وعظ میں شرکت کیا کرتا تھا اس لئے مجھے مولانا کے مواعظ کی کچھ کچھ باتیں اب تک یاد ہیں چنانچہ ایک بار مولانا نے وعظ میں فرمایا کہ مجھے ریل کا نعمت ہونا ابھی تک محسوس نہ ہوا تھا یعنی اس طرف التفات نہ ہوا تھا مگر ایک دن جو ریل میں بیٹھا اور جلدی سے منزل پر پہنچ گیا تو اس وقت اس نعمت کی بڑی قدر ہوئی اور معلوم ہوا کہ ریل بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو ہم لوگوں کو عطا ہوئی ہے۔ پس میں آپ صاحبوں کو بھی مطلع کرتا ہوں کہ اس کو نعمت سمجھو اور اس کا شکر ادا کرو۔ تو جب بڑے بڑے علماء کو اس کا نعمت ہونا جلدی معلوم نہیں ہوا تو عوام کو اگر اس کا نعمت ہونا معلوم نہ ہو تو زیادہ شکایت نہیں۔ مگر تنبیہ کے بعد تو احساس ہونا چاہیئے اس لئے میں بھی مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کہتا ہوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھو اور اس پر شکر کرو۔

## ریل میں سوار ہوتے وقت کی دُعا

اور شکر مراکب (۱) کے دو صیغے قرآن میں وارد ہیں۔ ایک: ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ‏ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴾ (۲) جو رکوب انعام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور دوسرے: ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮٰهَا وَمُرۡسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ (۳) جو رکوب سفینہ (۴) کے وقت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا اور چونکہ ریل کو حمل اثقال میں انعام کے ساتھ بھی مشابہت ہے اور سرعت سیر وغیرہ میں کشتی کے ساتھ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔

(۱) سواریوں کے شکر کے لئے دو صیغے قرآن میں ذکر کئے گئے (۲) ''اس کی ذات پاک ہے جس نے اُن چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے، اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' سورۂ زخرف: ۱۳،۱۴ (۳) ''اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے'' سورۂ ھود: ۴۱ (۴) کشتی پر سوار ہوتے وقت۔

## ریل سے جہنم کی یاد تازہ ہوتی ہے

ایک فائدہ یہ ہے کہ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ریل کو دیکھ کر مجھے جہنم یاد آتی ہے کیونکہ اس کا انجن جہنم کی اس صفت کا مصداق ہے ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ کہ اس قدر جوش کھاتا ہے گویا غصہ اور قہر سے ابھی پھٹ پڑے گا۔ اور ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ ریل کے تیسرے درجہ جہنم کی اس صفت کا مذکر ہوتا ہے ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ کہ جیسے جہنم میں ایک جماعت دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ ایسے ہی ریل میں تیسرے درجہ والے آپس میں خوب لڑتے ہیں جب کسی اسٹیشن پر نئے نئے مسافر ٹھرڈ میں بھرتے ہیں تو جو پہلے سے بیٹھے ہوتے ہیں وہ انہیں کوستے بُرا بھلا کہتے ہیں کہ سارے اسی گاڑی میں آجاؤ تمہارے واسطے اور کہیں جگہ نہیں رہی۔ منہ پر آنکھیں نہیں کہ یہ تو پہلے ہی سے بھر رہی ہے بس تمہاری سزا یہ ہے کہ کھڑے رہو۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جگہ تو بہت ہے سیدھے ہو کر بیٹھو کیا تم ہی نے کرایہ دیا ہے۔ تم ریل کے مالک ہو۔ پھر خوب گالم گلوچ اور جھگڑا فساد ہوتا ہے۔ اس وقت بالکل یہی منظر ہوتا ہے ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ (۱) اور جب کہتے ہیں کہ ہم نے بھی تو ٹکٹ لیا ہے اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے ﴿لكل ضعف﴾ (۲) اور جب کہتے ہیں کہ تم کو ہم پر کیا ترجیح ہے۔ اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے ﴿فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ (۳)

---

(۱) جب کوئی جماعت داخل ہوتی ہے تو ان کے بھائی بند ان پر لعنت کرتے ہیں (۲) ہر ایک کے لئے دوہرا عذاب ہے (۳) تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔

## ریل میں جنت کی بھی شان ہے

اور ایک شان اس میں جنت کی بھی ہے۔ وہ یہ کہ جنت میں جس چیز کو دل چاہے گا وہ جلدی مل جائیگی۔ اس بات میں ریل جنت کے مشابہ ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے ریل کے ذریعہ سے جلدی حاصل ہوجاتی ہے چنانچہ کلکتہ اور پشاور کے میوے یہاں دوسرے دن پہنچ جاتے ہیں۔ بڑے شہروں میں ہر ملک کی چیزیں ہر وقت ملتی ہیں نیز جیسے جنت میں جہاں جانے کو دل چاہا فوراً پہنچ گئے۔ اسی کا نمونہ گو ادنیٰ ہی نمونہ ہو اس میں بھی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اس کے متعلق اسٹیشنوں کا انداز سے تقارب اور ہر اسٹیشن پر ضرورت کی چیزیں ملنا بالکل بلا وسباط کو یاد دلاتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ط سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا اٰمِنِيْنَ﴾ (۱) اور گو یہ نعمت دنیوی تھی مگر اس پر ناشکری کی مذمت اس طرح فرمائی گئی: ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ط﴾ (۲) پس اسی طرح یہ ریل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کا شکر کرنا چاہئے اور اس کے اندر جو مشابہتیں جنت و دوزخ کی مذکور ہوئیں ان پر اگر نظر کی جائے تو نعمت ظاہرہ کے ساتھ اس سے نعمت باطنہ یعنی تذکر آخرت بھی حاصل ہوگی۔

---

(۱) سورۂ سبا: ۱۸ (۲) سورۂ سباء: ۱۹۔

# ایک وقتی نعمت کا بیان جو خاص تھانہ بھون والوں کو ریل کی صورت میں حاصل ہوئی

اور ریل میں یہ نعمت عامہ تو سب لوگوں کے لئے تھی جس کا یہاں تک ذکر ہوا اور ایک نعمت خاص ہماری بستی کو یہ حاصل ہوئی ہے کہ ہمارا اسٹیشن پہلے بہت دور تھا اب خدا کے فضل سے بہت قریب ہو گیا۔ جس سے قصبہ والوں کو اور باہر سے یہاں آنے والوں کو بہت ہی راحت اور آسانی ہوگئی اس کا بھی ہم لوگوں کو شکر کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ''اگر شکر کروگے تو میں نعمت کو ترقی دونگا'' اس لئے ان شاء اللہ امید ہے کہ یہ نعمت جس حال میں اس وقت ہے اس سے ترقی پاجائیگی (مثلاً یہ کہ اسٹیشن جو قریب بنا ہے عارضی سے مستقل ہوجائیگا ۱۲ ظ)

## تعلیم شکر

اور چونکہ شریعت کی ہم کو یہ بھی تعلیم ہے: ((مَن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ)) کہ نعمت جن لوگوں کے واسطہ سے تم کو ملے ان لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے اس لئے جو لوگ اس امر میں ساعی ہوئے ہیں ہم کو ان کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ یہ بھی شکر نعمت کا تتمہ ہے اور ان کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے ان کی تعریف کی جائے۔ ان کو دُعا دی جائے اور ان کے اس احسان کو لوگوں میں ظاہر کیا جائے۔

(اور سب سے زیادہ منعم حقیقی اللہ جل جلالہ کا شکریہ ادا کیا جائے کہ بدون ان کی مشیت و حکم کے کچھ نہ ہوسکتا تھا۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی نے اس قصبہ پر یہ

انعام فرمایا ورنہ بظاہر اس کی کچھ امید نہ رہی تھی ((اللّٰھم ما اصبح بنا من نعمة او باحد من خلقت فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر دائما ابدا احمد الايريد قائله الارضاك ۱۲ظ) اور اس نعمت الٰہیہ کا شکریہ بہت دنوں تک کرنا چاہئیے بھول نہ جائیں۔

اب دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی نعمتوں کے شکریہ کی توفیق دے (۱)۔ اور ادائے شکر بالعمل کی بھی توفیق دے اور دخول جنت کے ساتھ اتمام نعمت فرمائیں۔ آمین۔

وصلى اللّٰه تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد
وعلى آله واصحابه اجمعين وآخر دعوانا ان الحمد
للّٰه رب العلمين

(اس بیان کے بعد حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ ایک فائدہ اس آیت کے متعلق اور ذہن میں تھا جو بیان نہ ہوسکا وقت پر ذہن سے نکل گیا اگر بعد ظہر کے طبیعت اچھی رہی تو بیان کردونگا ۱۲ظ)۔

---

(۱) ریل کی طرح دوسری تمام سواریاں مثلاً گاڑیاں، موٹر سائیکلیں، ہوائی جہاز اور دیگر سواریاں اور جدید ایجادات مثلاً موبائیل، کمپیوٹر وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ہیں ان کے استعمال پر زبان سے بھی شکر کرنا چاہئیے اور عملی شکریہ ہے کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں ان کو استعمال کرے ناجائز میں نہ کرے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو حاصل شدہ نعمتوں پر شکر کی توفیق دے آمین۔

خلیل احمد تھانوی